قیمت چار روپے

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM 3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$ 3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC. PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

فلم "بمبئی" کی نمائش سے فرقہ واریت میں اضافہ کا خطرہ

دختران ملت کی آبرو داؤ پر

ایک برہمن نوجوان ایک مسلم دوشیزہ کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر نہ تو لڑکی کے والدین تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی لڑکے کے گھر والے۔ یہاں تک کہ لڑکا اور اس کے والد کے درمیان زبردست تلخ کلامی ہوتی ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر چھوٹے سے قصبے سے بمبئی چلا جاتا ہے اور دونوں ایک عدالت میں شادی کر لیتے ہیں۔ شادی سے قبل لڑکی برقع میں ہوتی ہے جب کہ شادی کے بعد اس کا برقعہ اتار دیا جاتا ہے۔ بمبئی جانے سے قبل ایک گانا بھی فلمایا جاتا ہے۔ گانے کے مناظر میں برہمن لڑکا اس مسلم لڑکی کی قربت کی خواہش میں ایک دوسری لڑکی کے چہرے سے برقعہ الٹ دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اصل لڑکی خود ہی برقعہ ہٹا کر سامنے آجاتی ہے۔

یہ ہے وہ منظر جس نے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل اور فرقہ وارانہ فساد کا خطرہ پیدا کر دیا۔ مسلمانوں نے اس فلم کے خلاف زبردست غم وغصہ کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں حیدر آباد میں تیلگو اور تامل زبانوں میں دکھائی جانے والی منی رتنم کی فلم "بمبئی" پر فی الحال روک لگا دی گئی ہے۔ "بمبئی" ایک متنازعہ فلم ہے۔ جس میں بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد بمبئی میں بھڑکے فسادات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ یہ نوجوان جوڑا فلم میں جن کا نام شیکھر اور شہلا بانو ہے، فرقہ پرست غنڈوں میں گھر جاتا ہے۔ ان کے دو بچے جن کے نام نانا اور دادا کے نام پر کبیر نارائنا اور کمل بشیر ہوتے ہیں، شرپسندوں کے ذریعے زندہ جلا دیے جاتے ہیں۔ فلم کا پہلا نصف حصہ عشقیہ ہے جب کہ آخری نصف حصہ المناک واقعات سے پر ہے۔

منی رتنم نے جو کہ ایک کامیاب فلم ساز ہیں، یوں تو بہت ہی موثر ڈھنگ سے واقعات کو فلمانے کی کوشش کی ہے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اس میں دو ایسے مناظر رکھ دیے تھے جن پر ہنگامہ کھڑا ہونا فطری تھا۔ ایک تو مذکورہ واقعہ اور دوسرے بال ٹھاکرے کا رول۔ فلم میں ایک جگہ کیریکٹر بال

فلم "بمبئی" کا ایک منظر

ٹھاکرے کا بھی ہے۔ گرچہ اس کیریکٹر کو براہ راست بال ٹھاکرے نہیں کیا گیا ہے لیکن اس رول کو دیکھ کر کوئی بھی شخص آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ کون ہو سکتا ہے۔ اس کیریکٹر پر بال ٹھاکرے نے زبردست طوفان اٹھایا اور فلم کو دکھایے جانے پر خطرناک نتائج کی دھمکی بھی دی۔ منی رتنم نے بال ٹھاکرے سے خوف کھا کر اس رول کو فلم سے نکال دیا لیکن اب بھی وہ اس فلم کا ہندی ورژن دکھانے کی جرات نہیں کر پا رہے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے ہندو لڑکے اور مسلم لڑکی کے عشق کی داستان کو فلم سے اس لئے نہیں نکالا کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ فلم کی کامیابی میں یہی رول معاون ثابت ہو سکتا ہے ورنہ فسادات کے موضوع پر بیشتر فلمیں بنیں اور فلاپ ہو گئیں۔ حیدر آباد میں اس سین کی مخالفت کرنے والوں کا کہنا ہے کہ جس طرح بال ٹھاکرے کا رول فلم سے نکال دیا گیا اسی طرح یہ رول بھی نکال دیا جائے پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

دراصل غیر مسلم لڑکے سے مسلم لڑکی کی شادی کا معاملہ اتنا حساس اور جذباتی ہے کہ اس پر فطری طور پر ہنگامہ کھڑا ہو جاتا چہ جائے کہ مسلم لڑکی کا پردہ ہی ختم کر دیا جائے۔ دیکھا جائے تو یہ رول کریلا نیم چڑھا جیسا ہو گیا ہے۔ فلم ساز نے اس سین کو دھماکہ خیز اور متنازعہ بنانے کی غرض سے ہی ہیروئین کا پردہ ختم کرا دیا ہے۔ کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اس مسئلہ کی جذباتیت اور نزاکت سے ناواقف ہو۔ گویا ایک طرح سے اس فلم میں دختران ملت کی آبرو داؤ پر لگا دی گئی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر فلم ساز اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ شہرت اور کامیابی حاصل ہو۔ یوں بھی مسلم خواتین کا پردہ ایک مذہبی اور شرعی معاملہ ہے۔ فلم ساز نے پردے کو ختم کروا کر گویا مذہب سے کھلواڑ کیا ہے۔ اسے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے فلم میں ایسے کسی بھی منظر کی شمولیت سے گریز کرنا چاہیے تھا۔

فلم کے دوسرے مناظر بھی قابل اعتراض ہیں، بالخصوص بابری مسجد کی شہادت کا سین، فلم میں بابری مسجد کی شہادت کے ساتھ ساتھ اخبارات کی سرخیوں اور خبروں کو بھی سپر امپوز کیا گیا ہے فلم ساز انتہائی چالاکی کے ساتھ یہاں اپنا دامن بچا گیا ہے۔ فلم کے مناظر سے ایسا قطعی نہیں لگتا کہ فلم ساز اس گھناونے واقعہ کی مذمت کر رہا ہے یا عزت افزائی کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیدر آباد میں اس فلم کی نمائش کے دوران جب جب یہ منظر سامنے آیا تو "ہر ہر مہادیو" اور "نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہونے لگے اور ایسا محسوس ہوا کہ سینما ہال ہی میں فرقہ وارانہ فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ بمبئی فسادات کی فلم بندی کا جو بھی مقصد رہا ہو۔ اس کی نمائش نے لوگوں کے جذبات کو اور بھی برانگیختہ کر دیا اور کوئی تعجب نہیں کہ اگر یہ فلم حساس شہروں میں دکھائی جائے تو فساد بھڑک اٹھیں۔ اگر فلم ساز میں اخلاقی جرات تھی تو اسے فلم میں بابری مسجد کی شہادت کی مذمت کرنی چاہیے تھی اور بمبئی فساد میں مسلمانوں کی مظلومیت کو دکھا کر شیو سینا کے غنڈوں کی قلعی کھولنی چاہیے تھی۔ لیکن بال ٹھاکرے سے خوفزدہ منی رتنم نے ان کا رول تو کاٹ دیا البتہ مسلم خواتین کی تذلیل کرنے والا رول جوں کا توں رہنے دیا۔ اگر اس طرح کی فلمیں بنتی رہیں تو فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہی ہوگا۔

اللہ نے مجھے جو عزت و شہرت دی ہے وہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ نہیں دے سکتا

عمران خان کی تحریر

میں نے مغرب میں اپنے بہترین بیس سال گزارے ہیں۔ کچھ میرے عزیز دوست وہاں رہتے ہیں اور میں ان کی ثقافت کی خامیوں اور خوبیوں کو جانتا

ہوں۔ مگر مغربی ذرائع ابلاغ کی جانب سے ایک مغرب مخالف، کٹر اور دقیانوس مسلمان کی حیثیت سے میری امیج بنانے اور اس پروپیگنڈہ سے کہ میں سیاست میں داخل ہونے کے لئے اشتعال انگیز زبان استعمال کر رہا ہوں، میں بہت پریشان ہوں۔

یہ سب اس وقت شروع ہوا جب میں اپنے اسپتال کے لئے فنڈ کی فراہمی کی کوشش کرنے لگا کیونکہ شوکت خانم میموریل اسپتال برائے کینسر کے پہلے دور کی تکمیل کے لئے چار ملین ڈالر کی ضرورت تھی۔ تاجر طبقہ نے میری کوئی مالی مدد نہیں کی۔ مالی خسارے کی شکایت کر کے وہ خاموش ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مجھے باہر نکلنا پڑا اور میں نے پاکستان کے عام لوگوں سے مدد کی اپیل کی۔ اپنے 45 روزہ ملک گیر دورے کے دوران میں نے اسٹوڈینٹس سے بھی ملاقات کی اور انہیں اپنے ملک اور اپنی تہذیب پر فخر کرنے کا درس بھی دیا۔ اس سلسلے میں نے "براؤن صاحب تہذیب" پر حملہ بھی کیا۔ (براون صاحب تہذیب ایک پاکستانی محاورہ ہے جو پاکستان کے ان مراعات یافتہ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو انگریزی بولتے ہیں اور مغربی اقدار کو عزیز سمجھتے ہیں۔)

میرا کہنا ہے کہ یہ تہذیب مغربی کالونائزیشن کی وراثت اور گہرے احساس کمتری کا نتیجہ ہے، میں نے اپنے ملک کے نوجوانوں کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ جب تک آپ خود اپنی عزت نہیں کریں گے کوئی دوسرا آپکا احترام نہیں کریگا۔ اگر ہمارے مراعات یافتہ طبقہ کے لوگ مغربی تہذیب کو اپناتے ہیں اور اپنے ہی لوگوں کے ذریعہ انہیں پریشانی لاحق ہوتی ہے تو پھر وہ اسکی توقع کر سکتے ہیں کہ کوئی دوسرا ان کی عزت کرے۔

اگر کوئی انگریز عربوں کی مانند لباس زیب تن کرے۔ انہیں کی طرح عربی بولے اور اپنے لوگوں کو گری ہوئی نظر سے دیکھے نیز انہیں پسماندہ سمجھے تو اس پر ہم کیا کہیں گے؟ جب میں انگریزی سیکھنے کے لئے اپنے نوجوانوں کی ہمت افزائی کرتا ہوں تو اسکا مطلب ان کی تعلیم کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ لیکن میں

> میں اس سیاسی نظام میں کبھی بھی شامل نہیں ہو سکتا جہاں الیکشن لڑنے کے لئے بے پناہ دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ الیکشن کے بعد خرچ ہونے والی دولت کی واپسی کا عمل شروع ہوتا ہے خواہ اس کے لئے اصولوں کی سودے بازی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

باقی: صفحہ ۴ پر

سیاسی مخالفین کی تدبیریں الٹ گئیں لالو پھر برسر اقتدار

اس بار لالو مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟

لالو کو شکست دینے کی تمام تر کوششیں ناکام ہوگئیں۔ سارے ہتھکنڈے دھرے رہ گئے اور ساری تدبیریں الٹی ہوگئیں۔ چیف الیکشن کمشنر ٹی این سیشن کی "انتقامی" کارروائی بھی کوئی گل نہ کھلا سکی اور تاریخ کا طویل ترین انتخابی عمل بھی لالو کا قافلہ روکنے میں ناکام ثابت ہوا۔ وزیر اعلیٰ بننے کا خواب دیکھنے والے سمتا پارٹی کے لیڈر نتیش کمار کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور کانگریس کے سرفراز احمد وجگن ناتھ مشرا کی کوششیں بھی رائیگاں چلی گئیں۔

بہار میں جنتادل کی جیت 1996 میں ہونے والے جنرل الیکشن کے تناظر میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ بہار کے انتخابی نتائج کے اثرات عام انتخابات پر لازمی طور پر پڑیں گے اور اس الیکشن نے یہ بھی ثابت کردیا کہ نیشنل فرنٹ کو مردہ تصور کرنے والے احمقوں کی جنت کے باشندہ ہیں۔

اس وقت جب کہ اخبار کی آخری کاپی پریس جارہی ہے، بہار میں ووٹوں کی گنتی جاری ہے۔ ابھی چند حلقوں کے نتائج سامنے آئے ہیں البتہ زیادہ تر حلقوں کا رجحان سامنے آگیا ہے جو غمازی کررہا ہے کہ لالو یادو دوبارہ اقتدار پر متمکن ہورہے ہیں۔ ادھر حزب اختلاف کے حلقوں میں خواہ وہ کانگریس ہو یا بی جے پی، سمتا پارٹی ہو یا ایس پی۔ بی ایس پی ہر جگہ ماتم چھایا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ نتیش کمار کسی گوشۂ عافیت میں مقید ہوگئے ہیں وہ اخبار نویسوں سے گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

جس طرح مہاراشٹر کے الیکشن پر ملک بھر کی نظریں لگی ہوئی تھیں اسی طرح بہار کا الیکشن بھی مرکز نگاہ بنا ہوا تھا۔ یہ الیکشن اپنے آپ میں انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کی اہمیت اس لئے نہیں تھی کہ یہ لالو یادو کا گڑھ ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لئے تھی کہ حال ہی میں مہاراشٹر اور گجرات میں شیوسینا اور بی جے پی کی حکومتیں بنی ہیں اور اڑیسہ، جو کہ جنتا دل کی جیب میں تصور کیا جارہا تھا، کانگریس کی جھولی میں چلا گیا ہے۔ بی جے پی قومی سطح پر کانگریس کا متبادل بننے کا خواب دیکھ رہی اور 1996 کے عام انتخابات میں پرجوش انداز میں کودنے کی تیاری کر رہی ہے۔ ایسی صورتحال میں بہار کا الیکشن اپنے آپ میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔

صاف ستھرے انتخابات کے نام پر ٹی این سیشن نے انتخابی عمل کو کافی طویل کردیا تھا۔ 16 جنوری کو الیکشن کا نوٹی فیکیشن جاری ہوا تھا لیکن انتخابی عمل یکم اپریل کو جاکر پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس درمیان سیشن نے فوٹو شناختی کارڈ کا بھی معاملہ اٹھایا اور بار بار تاریخوں میں رد وبدل بھی کی۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ لالو مخالف تمام سیاسی پارٹیوں نے سیشن کی پشت پناہی کی۔

> مسلم رائے دہندگان نے پہلے کی مانند اس بار بھی انہیں اپنا قیمتی ووٹ دیکر کامیاب بنایا ہے۔ لیکن کیا لالو اس بات کو محسوس کریں گے اور اپنی کامیابی میں مسلمانوں کے قابل ذکر رول کا اعتراف کریں گے۔ ان کے مسائل پر توجہ دیں گے، ان کے مطالبات کو قابل اعتنا سمجھیں گے اور ان کی جن مانگوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا انہیں پورا کریں گے۔

سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ سیشن کی یہ انتخابی ورزش لالو کو شکست دینے اور ان سے انتقام لینے کے لئے تھی۔ اور اس کے پیچھے شاید ان کی اعلیٰ ذات کی ذہنیت کارفرما تھی۔ الیکشن کمیشن کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ وقت مقررہ کے اندر انتخابات کروائے تاکہ کوئی آئینی بحران نہ پیدا ہو لیکن سیشن نے آئینی بحران کو ٹالنے کے بجائے خود ہی آئینی بحران کا راستہ صاف کیا اور اس کے بجائے کہ 15 مارچ تک نئی حکومت اپنی ذمہ داریاں سنبھال لے، سیشن نے انتخابی عمل کو یکم اپریل تک بڑھا دیا۔ 31 مارچ سے قبل ریاستی اسمبلی کو ووٹ آن اکاونٹ پاس کرنا تھا۔ بصورت دیگر پورے سال کے اخراجات کے لئے رقم نہیں مل پاتی۔ چونکہ نئی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی اس لئے ووٹ آن اکاونٹ پاس کرانے کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ اس مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لئے مرکز نے بہار میں صدر راج نافذ کردیا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری سیشن پر عائد ہوتی ہے۔ سیشن اور دوسرے بہت سے کانگریسی لیڈر الیکشن کے دوران ہی صدر راج کے نفاذ کے خواہاں تھے لیکن وزیر اعظم نے یہ سوچ کر کہ اس سے لالو کو فائدہ ہوگا، ایسا قدم اٹھانے سے گریز کیا اور جوں ہی آخری دور کا الیکشن ختم ہوا صدر راج لاگو کردیا گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس بار لالو کی پوزیشن اچھی نہیں تھی، عوام ان سے ناراض تھے اور وہ لالو کے بجائے کسی اور پارٹی کو اقتدار میں لانا چاہتے تھے لیکن سیشن، مرکز اور دوسری پارٹیوں کے طریقہ کار نے عوام کو ان سے بدظن کردیا اور لالو کی پوزیشن انتخابی عمل کے طویل ہونے کے ساتھ ساتھ مستحکم ہوتی گئی۔ کچھ کانگریسی لیڈروں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ دوسری طرف مہاراشٹر اور گجرات میں فسطائی طاقتوں کے برسر اقتدار آنے سے عوام میں خوف وہراس کی فضا پیدا ہوگئی اور انہوں نے یہ

لالو یادو: کون ہے جو مجھ سے کرسی چھین سکے

سوچ کر اگر ان کا ووٹ بکھر گیا تو یہ طاقتیں ممکن ہے یہاں بھی مستحکم پوزیشن اختیار کرلیں لالو کی جانب واپس چلے گئے۔

گذشتہ تینوں ادوار کے اسمبلی انتخابات نے یہ تاثر چھوڑا تھا کہ عوام نے اینٹی اسٹیبلشمنٹ (حکومت مخالف) ووٹ دیا ہے اور اسی لئے ہر جگہ کی حکومتیں بدل گئی ہیں۔ اس تناظر میں خیال کیا جاتا تھا کہ بہار میں بھی یہی رجحان کارفرما رہے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لالو یادو کو پھر کامیابی حاصل ہوگئی۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہاں بھی حکومت مخالف ووٹ پڑا ہے کیونکہ لالو یادو اینٹی اسٹیبلشمنٹ کی علامت بن گئے تھے۔ مرکز اور الیکشن کمیشن کے رویے نے یہ فضا پیدا کی اور لالو نے ہمدردی کا ووٹ بھی حاصل کرلیا۔

بہر حال لالو ایک بار پھر کامیاب ہوگئے ہیں جہاں اس میں پسماندہ ذاتوں کا ہاتھ ہے وہیں مسلمانوں کا بھی اہم رول ہے۔ مسلم رائے دہندگان نے پہلے کی مانند اس بار بھی انہیں اپنا قیمتی ووٹ دیکر کامیاب بنایا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ لالو نے پچھلے دور میں ان کے لئے کوئی کام نہیں کیا اور اس بار بھی شاید کوئی قابل ذکر کام نہ کریں، مسلمانوں نے انہیں ہی اپنا نجات دہندہ سمجھا اور کانگریس، سمتا پارٹی، ایس پی، بی ایس پی، بی جے پی اور دوسری پارٹیوں کے مقابلے میں جنتا دل کو ووٹ دیا۔ لیکن کیا لالو اس بات کو محسوس کریں گے اور اپنی کامیابی میں مسلمانوں کے قابل ذکر رول کا اعتراف کریں گے۔ صرف زبان سے اقرار کرلینے سے حقیقی اعتراف نہیں ہوتا۔ حقیقی اعتراف تو تب ہوگا جب وہ ان کے مسائل پر توجہ دیں گے، ان کے مطالبات کو قابل اعتنا سمجھیں گے اور ان کی جن مانگوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا انہیں پورا کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ انہیں مسلمانوں کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، وہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے ہیں۔ لالو یادو کو سمجھنا چاہئے کہ انہیں دوبارہ زندگی ملی ہے اور اگر اس بار بھی انہوں نے محض ڈرامہ بازی سے کام لیا اور مسلم مسائل کی جانب توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تو انہیں آئندہ اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ جنھوں نے انہیں اقتدار کی گدی پر جلوہ افروز کیا ہے وہی انہیں وہاں سے اتار بھی سکتے ہیں۔ لہٰذا اس بار لالو کو جوش کے بجائے ہوش کا دامن تھامنا ہوگا۔ ڈرامہ بازی کے بجائے سنجیدگی کو اپنانا ہوگا اور زبانی جمع خرچ کی بجائے ٹھوس کام کرنے ہوں گے۔

تیرہ شیو سیکوں کو سزائے عمر قید

بابری مسجد گرانے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے والوں کو سزا کب ملے گی؟

مہاراشٹر کی حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد شیوسینا کے چیف بال ٹھاکرے کی دیوانگی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ سنجیدہ روی کے بجائے وہ ہذیان گوئی کی اسی پرانی روش پر گامزن ہیں جسے انہوں نے اپنے لئے طرہ امتیاز بنا رکھا ہے۔ مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی ان کی دھمکی پر ملک گیر سطح پر زوردار ہنگامہ تو جاری ہی ہے ادھر دوسری طرف بڑودہ کی ایک عدالت نے 13 شیو سینکوں کو عمر قید کی سزا سنا کر شیوسینا میں کھلبلی مچادی ہے۔

22 مئی 1993 کو گجرات کے ایک اخبار "سندیش" کے بڑودہ ایڈیشن کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر دنیش پاٹھک کو شیو سینکوں نے قتل کردیا تھا۔ اس گھناونی حرکت میں 14 شیوسینک ملوث تھے۔ قتل سادھنا نگر سوسائٹی میں واقع اخبار کے دفتر کے احاطے میں ہوا تھا۔ یہ اخبار شیوسینا مخالف ہے اور اسی لئے شہر شیوسینا کے لیڈر راجو رسالدار نے پاٹھک کو قتل کرنے کا برسرعام عہد کیا تھا۔ اس نے فون پر پاٹھک کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ بعد میں پولیس سے مڈبھیڑ میں وہ مارا گیا تھا۔

جس وقت یہ فیصلہ سنایا جارہا تھا عدالت میں زبردست بھیڑ تھی۔ کسی بھی ممکنہ خطرے سے بچنے کے لئے احتیاطی بندوبست کیا گیا تھا۔ بعد میں شیو سینکوں نے راستہ جام کردیا اور صورتحال کو خراب کرنے کی کوشش کی جس پر پولیس نے قابو پالیا۔

یہ فیصلہ اپنے آپ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس وقت مہاراشٹر میں شیوسینا اور گجرات میں بی جے پی کی حکومت ہے، جس کی بنا پر پورے ملک میں ان دونوں پارٹیوں میں زبردست جوش وخروش ہے اور شیوسینا تو خود کو آئین وقوانین سے بالاتر سمجھنے لگی ہے۔ کیونکہ ابھی تک مہاراشٹر میں شیوسینا کے غنڈوں نے جتنی بھی ہنگامہ آرائی کی ہے ان میں ان کو کہیں بھی سزا نہیں ہوئی ہے۔ اسی لئے ان کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ ادھر بال ٹھاکرے نے بھی اپنی مسلم دشمنی کا بھرپور مظاہرہ پھر شروع کردیا ہے۔ ایسی صورت میں بڑودہ عدالت کا فیصلہ ان فسطائی طاقتوں کے بڑھتے سیلاب پر بند باندھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ یہ فیصلہ ایک مثال ہے ایک نظیر ہے۔ اس سے مرکز کی کانگریس حکومت کو سبق سیکھنا چاہئے۔ اگر امن دشمن قوتوں کے عزائم پر پہلے سے ہی بند باندھنے کی کوشش کی گئی ہوتی تو شاید وہ اتنے خطرناک نہ ہوپاتے۔

بڑودہ عدالت کے اس فیصلے سے یہ سوالات خود بخود پیدا ہورہے ہیں کہ جب ایک شخص کو قتل کرنے کے جرم میں 13 سینکوں کو سزا سنائی جاسکتی ہے تو سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کرنے کے جرم میں انہیں کیوں نہیں سزا سنائی جارہی ہے۔ بال ٹھاکرے کو جنھوں نے بمبئی فساد سے قبل شیو سینکوں کو مسلمانوں کے قتل عام کی ہدایت دی تھی۔ سلاخوں کے پیچھے کیوں نہیں ڈال دیا گیا؟ جب کہ انہوں نے خود ہی فسادات کی ذمہ داری فخریہ انداز میں قبول کی تھی صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے بابری مسجد کی شہادت کا بھی اعتراف کیا۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟ کیا مسلمانوں کے خون ناحق کی کوئی قیمت نہیں ہے اور کیا بابری مسجد کو شہید کرنا کوئی جرم نہیں تھا۔

سیاسی وراثت کی جنگ نے بہن بھائی کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا

کیا مرتضیٰ بھٹو کی پیپلز پارٹی پاکستانی سیاست میں کوئی ہنگامہ برپا کرسکتی ہے؟

پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو آج کل کئی محاذوں پر نبرد آزما ہیں، انہیں اپنی پوری قوت ان محاذوں پر صرف کرنی پڑ رہی ہے۔ ان میں دورہ امریکہ، کراچی کی بدترین صورتحال اور اسلام پسندوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سر فہرست ہیں۔ دریں اثنا ایک اور محاذ کا اضافہ ہوگیا ہے اور یہ محاذ ان کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو نے کھولا ہے۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی (شہید بھٹو گروپ) کے نام سے اپنی پارٹی بنائی ہے۔ ان کے ساتھ ان کی والدہ نصرت بھٹو بھی ہیں۔ مرتضیٰ بھٹو کا کہنا ہے کہ انہوں نے نئی پارٹی نہیں بنائی ہے بلکہ پرانی پیپلز پارٹی جس پر بے نظیر حاوی ہیں، کی از سر نو تشکیل کی ہے۔ کیونکہ موجودہ پیپلز پارٹی بنیادی اصولوں سے ہٹ گئی ہے۔ وہ برسر اقتدار تو ہے لیکن اپنی اصل شکل سے اتنی مختلف ہے کہ اس کو از سر نو تشکیل دینے کی ضرورت پیش آگئی ہے۔

اس کا اعلان مرتضیٰ بھٹو نے گذشتہ دنوں کراچی میں چار ہزار افراد کے ایک کنونشن میں کیا اس سے قبل انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ان کے ساتھ موجودہ پیپلز پارٹی کے کئی سابق سرکردہ رہنما بھی ہیں اور وہ بھی اس دن کنونشن میں شرکت کریں گے لیکن صرف صاحب زادہ فاروق علی خاں ہی اس میں شریک ہوئے۔ یحییٰ بختیار، ڈاکٹر مبشر حسن اور حفیظ پیرزادہ جن کی شرکت کا اعلان کیا گیا تھا، شریک نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی والدہ نصرت بھٹو خود اس میں نہیں آئیں البتہ انہوں نے اپنا پیغام ضرور ارسال کیا اور پیپلز پارٹی کی تاحیات چیئرپرسن کی

مرتضیٰ بھٹو: ہماری پارٹی اصل پیپلز پارٹی ہے

حیثیت سے مرتضیٰ بھٹو کو شہید بھٹو گروپ کا صدر نامزد کرنے کا اعلان کیا۔ حالانکہ گذشتہ ماہ بے نظیر بھٹو نے جب اپنی پارٹی کی تشکیل نو کی تھی تو انہوں نے نصرت بھٹو کو چیئرپرسن کے عہدے سے برطرف کرکے خود وہ عہدہ حاصل کر لیا تھا۔ کیونکہ نصرت کا بے نظیر کے مقابلے میں مرتضیٰ کی جانب زیادہ جھکاؤ تھا۔ نصرت بھٹو نے بحیثیت چیئرپرسن اپنے خط میں کہا کہ 1970 کی دہائی میں جب ان کے شوہر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو جیل میں تھے تو اسی وقت انہوں نے نصرت بھٹو کو تاحیات چیئرپرسن نامزد کردیا تھا اور کسی کو انہیں ہٹانے کا آئینی اختیار حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے خط میں اسکا اظہار کیا کہ پیپلز پارٹی اپنے آئین کے مطابق کام نہیں کر رہی ہے اس لئے اس کی از سر نو تشکیل ناگزیر ہے۔

مرتضیٰ بھٹو کا کہنا ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانا پڑا کیونکہ بھٹو نے جس پارٹی کا قیام کیا تھا وہ اپنی سمت بھول گئی ہے۔ آج یہ پارٹی غریبوں، کسانوں اور طلبا کے مفادات کی حامی نہ ہو کر اعلیٰ طبقہ، فیکٹری مالکوں اور زمینداروں کی پارٹی بن کر رہ گئی ہے۔

مرتضیٰ بھٹو کا کہنا ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانا پڑا کیونکہ بھٹو نے جس پارٹی کا قیام کیا تھا وہ اپنی سمت بھول گئی ہے۔ آج یہ پارٹی غریبوں، کسانوں اور طلبا کے مفادات کی حامی نہ ہو کر اعلیٰ طبقہ، فیکٹری مالکوں اور زمینداروں کی پارٹی بن کر رہ گئی ہے۔ اس لئے ہم اس کو اس کی اصل شکل میں واپس لانا چاہتے ہیں اور ہم جس پیپلز پارٹی کی بات کر رہے ہیں وہ اصل پی پی پی ہے ہم اصل پی پی پی ہیں بے نظیر کی پارٹی ختم ہو رہی ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجھے پارٹی کا ابتدائی رکن بنایا تھا اس لئے ہمارے آس پاس جو لوگ ہیں وہ سب اصل پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرکاری پیپلز پارٹی نے ہمیں اپنا ممبر بنانے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہم اصل پیپلز پارٹی نہیں ہیں۔ اس لئے مجبور ہو کر ہمیں اسی نام اور اسی جھنڈے کو استعمال کرنا پڑ رہا ہے۔ البتہ ہم وہ انتخابی نشان نہیں لیں گے جو سرکاری پیپلز پارٹی کا ہے۔ کیونکہ وہ اصل نشان نہیں ہے اس کا اصل نشان تلوار تھی مگر اس وقت تیر ہے اور ہم الیکشن کمیشن سے درخواست کریں گے کہ وہ تلوار انتخابی نشان ہمیں تفویض کرے الیکشن میں لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ اصل پیپلز پارٹی کون ہے۔ ہماری پارٹی کا نام "پی پی پی شہید بھٹو" ہے جب کہ بے نظیر کی پارٹی کا نام پی پی پی بے نظیر بھٹو یا پی پی پی زرداری یا پھر پی پی پی (سی) یعنی کرپشن ہے۔ مرتضیٰ کا یہ بھی کہنا ہے کہ آج بے نظیر بھٹو ان لوگوں میں گھری ہوئی ہیں جو بھٹو کے دشمن تھے اور انہیں پھانسی دلوانے میں جن کا ہاتھ تھا۔

موجودہ حکومت کی کارکردگی پر بھرپور حملہ کرتے ہوئے مرتضیٰ بھٹو کہتے ہیں کہ اس ملک میں ترقیاتی کام ٹھپ پڑے ہوئے ہیں۔ تعلیمی اور طبی نظام درہم برہم ہے، امن وامان کی صورتحال قابو سے باہر ہے، عدلیہ اور پریس کو یرغمال بنا لیا گیا ہے، کوئی بھی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ رشوت کے بنا اسکول اور کالجوں میں داخلہ نہیں ہوتا۔ کرپشن کو ایک طرح سے جواز حاصل ہوگیا ہے۔ دیکھا جائے تو بے نظیر کی حکومت اس وقت خطروں میں گھری ہوئی ہے۔ مرتضیٰ کہتے ہیں کہ بے نظیر حکومت کے آخری دن چل رہے ہیں۔ وہ جلد ہی جانے والی ہے۔ بے نظیر نہ تو کسی کا مشورہ سنتی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ یہ پارٹی جو تین بار اقتدار میں آچکی ہے اس خاندانی لڑائی کی نذر ہو کر تباہ ہو جاتی ہے یا مرتضیٰ بھٹو بے نظیر سے اس کی کمان چھیننے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ فی الحال بے نظیر کو اس اقدام سے بہت زیادہ پریشانی نہیں ہے لیکن آئندہ انہیں ممکن ہے کہ اس کی قیمت چکانی پڑے۔

اور نہ ہی کسی ایسی رپورٹ کو قابل اعتناء سمجھتی ہے جو اس کے نظریات وخیالات کے برعکس ہو۔

مرتضیٰ بھٹو پارٹی پر قبضہ کرنے کی کوشش گذشتہ الیکشن کے دور سے ہی کر رہے ہیں جب وہ لندن سے پاکستان واپس آئے۔ واپسی سے قبل انہوں نے الیکشن میں حصہ لیا اور ایک جگہ سے کامیاب بھی ہوئے۔ چونکہ بے نظیر نے پارٹی کے معاملات میں اپنی ماں کی مداخلت تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا اس لئے نصرت بھٹو نے بیٹی کا دامن چھوڑ کر بیٹے کو بڑھانا شروع کردیا۔ بے نظیر کی مشکل یہ ہے کہ انہیں زرداری خاندان کے بااثر افراد کی خواہش کا احترام کرنا پڑ رہا ہے اس لئے وہ وہی کرتی ہیں جو ان کے شوہر آصف زرداری چاہتے ہیں۔ پارٹی کی ملکیت پر زرداری خاندان کا قبضہ نصرت کیسے برداشت کرسکتی ہیں اس لئے انہوں نے پہلے اپنے بیٹے کو الیکشن میں کھڑا کیا اور خود ان کی انتخابی مہم کی کمان سنبھالی۔ بعد میں مرتضیٰ کو واپس بلوا کر بے نظیر کو رام کرنے کی مختلف طریقوں سے کوشش کی۔ لیکن وہ کسی بھی قیمت پر ان کے اشاروں پر چلنے کو تیار نہیں ہوئیں، بالآخر انہوں نے مرتضیٰ بھٹو سے شہید بھٹو گروپ کا اعلان کروایا کراچی پیپلز پارٹی کا گڑھ رہا ہے اور کراچی ہی کی حالت زیادہ خراب ہے۔ صورتحال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نصرت بھٹو نے یہ قدم اٹھایا ہے تاکہ آئندہ الیکشن میں بھٹو کے نام پر زیادہ سے زیادہ عوامی

بے نظیر بھٹو: حکومت کے خلاف ایک اور محاذ سے پریشانی

حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ پارٹی جو تین بار اقتدار میں آچکی ہے اس خاندانی لڑائی کی نذر ہو کر تباہ ہوجاتی ہے یا مرتضیٰ بھٹو بے نظیر سے اس کی کمان چھیننے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ فی الحال بے نظیر کو اس اقدام سے بہت زیادہ پریشانی نہیں ہے لیکن آئندہ انہیں ممکن ہے کہ اس کی قیمت چکانی پڑے۔

بقیہ: "ہمیں مغربی معاشرے کی برائیوں سے واقف ہونا چاہئے" عمران خان

انہیں انگریز بنانے کی کوشش کبھی نہیں کرتا اور اسے انگریزوں پر یا مغرب پر حملہ نہیں کہیں گے۔ جب میں پاکستان کے براؤن صاحبوں سے اختلاف کرتا ہوں تو میرا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں مغربی لوگوں کو برتر سمجھتا ہوں، ان سے ہمارا رشتہ استاد اور شاگرد کا ہونا چاہئے، آقا اور غلام کا نہیں۔ جس طرح یورپی عوام نے مسلم اسپین کی دانش گاہوں سے علم حاصل کیا اور اس علم نے ان کی ترقی میں زبردست رول ادا کیا تو کیا اسی طرح ہم مغرب سے انسانی حقوق، تعلیم کی اہمیت اور دوسری چیزیں نہیں سیکھ سکتے؟ اس کے ساتھ ہمیں اللہ کی عبادت کے بجائے مادہ پرستی اور خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار جیسی مغربی معاشرے کی برائیوں سے بھی واقف ہونا چاہئے۔ برطانیہ کے جان میجر جب "بنیادوں کی جانب واپسی" یا امریکہ کے سابق صدر جارج بش "فیملی اقدار" کی باتیں کرتے ہیں تو وہ اپنے روایتی خاندانی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ کے برے اثرات کے تئیں اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حالت 1960 کی دہائی سے

میں اس سیاسی نظام میں کبھی بھی شامل نہیں ہوسکتا جہاں الیکشن لڑنے کے لئے بے پناہ دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ الیکشن کے بعد خرچ ہونے والی دولت کی واپسی کا عمل شروع ہوتا ہے خواہ اس کے لئے اصولوں کی سودے بازی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

اس وقت پیدا ہونے شروع ہوئے جب سیکس، نشیلی ادویات اور "راک اینڈ رال" کی تہذیب کے پروان چڑھنے اور غیر اخلاقی حرکتوں کی عزت افزائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں اپنے نوجوانوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاق سوز تہذیب سے ترقی کے منازل طے نہیں کیے جاسکتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان بھی پاپ کلچر کی برائیوں کو اسی طرح محسوس کریں جیسے کہ میں محسوس کرتا ہوں۔ انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ نشیلی ادویات اور شراب سے روح اور جسم دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

میں پاکستان کی حقوق نسواں تنظیموں سے وابستہ لوگوں اور فیمنسٹ افراد کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ خواتین کے آزادی پسند خیالات کی زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کریں کیوں کہ اس تحریک نے اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی خواتین کی ہوس نے مغرب میں ماں کے تصور کو تباہ کر دیا ہے۔ جبکہ اسلام میں ماں کا عظیم الشان درجہ ہے۔ میرا اسلام دوسروں کے نقطہ نظر اور خیالات کے تئیں رواداری کا مظاہرہ کرتا ہے اور قرآن کے اس حکم پر مجھے یقین ہے کہ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اس وقت اسلام پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے یہ بندوق کے زور پر نہیں پھیل سکتا۔

جہاں تک سیاست میں میرے داخلے کی بات ہے تو میں اس سیاسی نظام میں کبھی بھی شامل نہیں ہوسکتا جہاں الیکشن لڑنے کے لئے بے پناہ دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ الیکشن کے بعد خرچ ہونے والی دولت کی واپسی کا عمل شروع ہوتا ہے خواہ اس کے لئے اصولوں کی سودے بازی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ میں پارلیمانی جمہوریت کے پارٹی سسٹم سے قطعی مطمئن نہیں ہوں جہاں پارٹی ڈسپلن کے نام پر سچائی کو چھپایا اور جھوٹ کو دھڑلے سے بولا جاتا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے مجھے جتنی شہرت اور عزت دیدی ہے وہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ نہیں دے سکتا۔

بھاگلپور فساد کی انکوائری رپورٹ نے ثابت کردیا کہ

مسلم دشمنی کے حمام میں سب ننگے

تحریر..............سہیل انجم

ہندوستان کی تاریخ کے بد ترین بھاگلپور فساد کی دلدوز کون یادیں فراموش کرسکتا ہے۔ اس مسلم کش مہم کی منحوس یادیں، جس نے تقسیم ہند کے موقع پر رونما ہونے والے خونچکاں واقعات کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا، ابھی تک بھاگلپور کے مسلمانوں کا پیچھا کررہی ہیں۔ وہ ستم رسیدہ یتیم بچے جن کے والدین کو انتہائی بیدردی سے قتل کرکے ان کے جسموں پر نمک چھڑک دیا گیا تھا اور جنہیں کھیتوں میں دفن کرکے ان پر سبزیاں اگادی گئی تھیں، آج بھی اپنی ویران آنکھوں سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ چندیری کی ملکہ بیگم، جس کے والدین اور گاؤں کے 125 افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر ایک تالاب میں پھینک دیا گیا تھا اور جو اپنی ایک کٹی ہوئی ٹانگ کی ناقابل برداشت تکلیف کے ساتھ اپنی جان بچانے کے لئے تالاب میں کود گئی تھی۔ آج بھی خوفزدہ ہے۔ حالانکہ اسے ایک کشمیری فوجی افسر نے تالاب سے نکال کر اس کے ساتھ شادی کرکے اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی، لیکن اس کے دل میں جو ناسور بن گیا تھا وہ آج بھی رس رہا ہے۔ چندیری کے قتل عام کی عینی شاہد لرزہ براندام کردینے والے واقعات کو سوچ کر اب بھی کانپ اٹھتی ہے۔ 28 اکتوبر 89 کو شروع ہو کر اواخر جنوری 90 تک ہونے والے اس موت کے رقص میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق 2200 اور غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق کئی ہزار مسلمانوں کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تھا۔ اس اندوہناک فساد کی انکوائری رپورٹ منظر عام پر آگئی ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانان بھاگلپور کے زخم پھر سے ہرے ہوگئے ہیں، خونچکاں یادیں پھر تازہ ہوگئی ہیں اور مقتولین ومتاثرین کے ورثاء ریاستی اور مرکزی حکومتوں سے بہ زبان خاموشی یہ سوال کررہے ہیں کہ کیا قاتلوں مجرموں اور فسادیوں کو کیفر کردار تک پہونچا کر ان کے زخموں کا مداوا کیا جائے گا؟ یا پھر بیشتر انکوائری رپورٹوں کی مانند یہ رپورٹ بھی فائلوں میں دبادی جائے گی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت جب کہ بی جے پی مہاراشٹر اور گجرات میں برسراقتدار آئی ہے اور آئندہ ہونے والے جنرل الیکشن میں وہ مرکز میں حکومت سازی کے خواب دیکھ رہی ہے، تین رکنی عدالتی کمیشن کی انکوائری رپورٹ میں اسے واضح طور پر مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ بی جے پی کے ساتھ کانگریس اور پولیس کو بھی اس کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔ رپورٹ میں بی جے پی، کانگریس، پولیس اور مقامی انتظامیہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کی فرقہ وارانہ عصبیت نے ہی فساد کو بھڑکایا۔

یہاں یہ یاد دلانا برمحل ہوگا کہ بھاگلپور کا فساد رام مندر تعمیر کے نام پر ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے رام شیلا پوجن یاترا کے موقع پر برپا ہوا تھا۔ یاترا کا مقصد کشیدگی پیدا کرنا، فرقہ وارانہ منافرت میں اضافہ کرنا اور ہندو مسلم کشت وخون کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اسی لئے اس موقع پر ایسے قابل اعتراض اور جنگ آمیز نعرے فضاؤں میں بلند کئے جارہے تھے جو پرامن ماحول میں بھی فرقہ وارانہ تعصب کی بارود بھردینے کے لئے کافی تھے۔ ہوا بھی وہی، ہندو دہشت گردوں نے مسلم کشی کے بیج بونے کے بعد فصل کاٹنی شروع کردی۔ کئی ہفتے تک پولیس نے اپنے روزنامچوں میں قتل وخون کا اندراج ہی نہیں کیا جب کہ صورتحال یہ تھی کہ مسلمانوں کو ذبح کرکے کنوؤں، تالابوں، اور کھیتوں میں پھینکا جارہا تھا۔ پولیس نے فسادیوں کو اتنی چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ مسلم آبادیوں میں جاکر گھروں کو تہس نہس کرتے مزاحمت کرنے پر لوگوں کو اپنے تشدد کا نشانہ بناتے اور املاک وجائیداد کو ٹرکوں اور ٹرالیوں میں بھر کر اٹھالے جاتے اور غیر منقولہ اشیاء کو نذر آتش کردیتے۔

بھاگلپور کے نزدیک میر پور اسٹیشن پر ریزرویشن چارٹ سے مسلمانوں کی شناخت کرکے تن سکیا اسکرپس میں قتل عام مچایا گیا۔ کیا اس نوعیت کے فسادات پولیس کی لاعلمی اور ان کی خاموش رضامندی کے بغیر رونما ہوسکتے ہیں؟ فساد کی ابتداء تاتار پور چوک سے ہوئی تھی۔ اس وقت بہار میں کانگریس کی حکومت تھی اور ستیندر سنہا وزیر اعلی تھے۔ رام شیلا پوجن کا جلوس نکلنے والا تھا حکومت، پولیس اور انتظامیہ نے اہل جلوس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور ان کو کچھ بھی کرنے کی آزادی دے رکھی تھی۔ مسلم محلوں سے جب یہ جلوس نکلا تو انتہائی درجے کے قابل اعتراض نعرے بلند کئے گئے اور "ہندو طاقت" کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا۔ خصوصا مساجد کے سامنے غنڈہ گردی کی حدیں توڑ دی گئیں۔ اس وقت کے انسپکٹر جنرل آف پولیس مسٹر گنگا پرساد دھورے نے محرم کے جلوس کے موقع پر اکٹھا ہوئے مسلمانوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم یہاں کربلا بنادیں گے" اور حقیقتا وہاں کربلا بنادیا گیا۔

وشو ہندو پریشد اور بی جے پی کی منظم پروپیگنڈہ مہم کے نتیجے میں فساد کی چنگاریاں بھاگلپور کے نواحی علاقوں میں دس کلو میٹر تک پھیل گئیں۔ تاتار پور میں مسلم علاقے میں واقع ایک ہوسٹل کے تعلق سے یہ افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں نے ہوسٹل میں رہائش پذیر چار سو ہندو طلباء کو قتل کرڈالا ہے۔ یونیورسٹی بند ہونے کے بعد جب یہ طلباء اپنے گھروں کو گئے تو وہ وشو ہندو پریشد کی پروپیگنڈہ مہم کا حصہ بن گئے۔ جس کے نتیجے میں گردونواح میں بھی مسلم کش فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔

26 اکتوبر کو اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے بھاگلپور کا دورہ کیا لیکن انتہائی پراسرار طریقے سے وہ چپ چاپ واپس آگئے۔ انہوں نے غنڈوں اور مسلم دشمن عناصر پر قدغن لگانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا کوئی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی کسی کے خلاف کوئی ایکشن لیا۔ انہوں نے نہ تو فوج کی تعیناتی کا حکم دیا اور نہ ضلعی انتظامیہ کو فوج کے کنٹرول میں دیا البتہ انہوں نے ایس پی کے تبادلے کے لئے ریاستی حکومت کے حکم کو کینسل کردیا اور علاقائی پولیس کے اس مطالبے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے کہ ایس پی کا تبادلہ نہیں ہونا چاہئے۔ راجیو گاندھی کے اس عمل نے پولیس اور غنڈوں کے حوصلے بلند کردیئے انہوں نے اپنی مہم تیز کردی اور یہ حقائق تو ریکارڈ میں درج ہیں کہ راجیو گاندھی کے دورے سے قبل اتنے مظالم اور قتل نہیں ہوئے تھے جتنے کہ ان ان کے دورے کے بعد ہوئے۔

323 صفحات پر مشتمل انکوائری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حقائق وشواہد کے پیش نظر اس میں رتی برابر شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ پولیس کا رویہ مکمل طور پر مسلم دشمن رہا ہے۔ بے قصور مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے اس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ رپورٹ میں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح آئی جی نے مسلمانوں کو کربلا بنادینے کی دھمکی دی تھی۔ وشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس کے غنڈوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ دیہی علاقوں میں وہ پورے طور پر سرگرم ہوگئے اور جہاں جہاں انہیں موقع ملا جی بھر کے قتل عام اور لوٹ مار مچائی۔

کانگریس حکومت کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حکومت فرقہ وارانہ کشیدگی سے پوری طرح واقف تھی پھر بھی وزیر اعلی اور دوسرے افسران اپنے اپنے دفاتر اور بنگلوں میں مطمئن بیٹھے رہے اور صورتحال کو خراب سے خراب تر ہونے کا موقع دیتے رہے۔

بھاگلپور فساد کی انکوائری رپورٹ نے ایک بار پھر کانگریس، بی جے پی، شیوسینا آر ایس ایس اور پولیس محکمہ کو بے نقاب کردیا اور ان کے مسلم دشمن رجحانات کی قلعی کھول دی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مجرموں کو خاطر خواہ سزا دی جائے گی۔ اس بد ترین سانحے میں ملوث پولیس افسران کو معقول سزائیں ملیں گی۔ پریشد بی جے پی اور آر ایس ایس کے غنڈوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ اگر سابقہ تجربات کی روشنی میں جائزہ لیں تو اس کا بہت کم امکان ہے۔

کیا بھاگلپور کے قاتلوں کو سزا دی جائے گی؟

اس سے قبل نہ جانے ایسی کتنی رپورٹیں منظر عام پر آئیں اور سرکاری دفاتر میں دیمک کی نذر ہوگئیں۔ ابھی چند مہینے قبل میرٹھ کے فساد میں ملوث بی جے پی کے رول کی قلعی سی بی آئی نے کھولی تھی۔ لیکن کیا قصوروار پولیس افسران کو سزائیں دی گئیں۔ بھاگلپور فساد میں ملوث افسران اب بھی آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی صرف ایک مثال کافی ہے کہ جس انسپکٹر جنرل نے مسلمانوں کو کربلا بنادینے کی دھمکی دی تھی اس کو چیف الیکشن کمیشن ٹی این سیشن نے بہار میں صاف ستھرے انتخابات کرانے کا ذمہ دار بنایا ہے۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو چاہئے کہ سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر مجرموں کو قانون کے حوالے کریں اور قاتلوں کو سزائیں دیکر انصاف کی بالادستی قائم کریں۔

”مجھ پر حملہ کیا تو پوری قوم تباہ و برباد کردی جائے گی“

بال ٹھاکرے کی خطرناک دھمکیوں نے بمبئی کے مسلمانوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا

مہاراشٹر میں فاشسٹ قوتوں کے سربراہ بال ٹھاکرے کے دھمکی آمیز بیانات نے پورے ملک میں آگ لگا دی ہے۔ ملک بھر کے مسلمان عموماً اور مہاراشٹر کے خصوصاً خوف زدہ ہوگئے ہیں اور انہیں یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ "بنگلہ دیشی اور پاکستانی مسلمانوں" کو ملک سے نکالنے کی آڑ میں شیوسینا بمبئی کے مسلمانوں کے خلاف کوئی خطرناک قدم اٹھانے والی ہے۔ بال ٹھاکرے کی دھمکیوں پر ملک گیر سطح پر رد عمل ہورہا ہے تقریباً تمام پارٹیوں کی جانب سے (بی جے پی کو چھوڑ کر) ٹھاکرے کی مذمت ہورہی ہے۔ کیونکہ ٹھاکرے نے خود کو آئین وقانون سے بالا تر سمجھ رکھا ہے اور انہوں نے لا اینڈ آرڈر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ آئین وقوانین کو انہوں نے اپنے گھر کی باندی سمجھ لیا ہے اس لئے وہ اب بھی اسی طرح زہر افشانی کررہے ہیں جس طرح اقتدار میں آنے سے قبل کررہے تھے۔ اس رجحان سے سب سے زیادہ تشویش مسلمانوں کو ہورہی ہے کیونکہ اس کا انجام انہی کو ہی بھگتنا پڑے گا۔

فاشسٹ فوج کے سپہ سالار بال ٹھاکرے کے دھمکی آمیز بیانات کا درجہ حرارت بھی دن بدن بڑھتا جارہا ہے گذشتہ دنوں تو انہوں نے اپنے شیوسینکوں کو یہاں تک حکم دیدیا کہ وہ جہاں کہیں بھی پاکستانی اور بنگلہ دیشی دراندازوں کو دیکھیں انہیں اکھاڑ پھینکیں، اسے قومی فریضہ سمجھ کر انجام دیں اور ذرا بھی کوتاہی سے کام نہ لیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پورا ملک ان دراندازوں سے بھرا پڑا ہے۔

بال ٹھاکرے: ”میرے سینکوں نے مردہ ماں کا دودھ نہیں پیا ہے“

شیوسینا کے اخبار سامنا میں شائع ہونے والے بال ٹھاکرے کے ایک انٹرویو پر بھی شدید عمل سامنے آیا کیوں کہ ان کے بیانات انتہائی خطرناک اور امن دشمن ہیں۔ سامنا میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق ایک شخص نے، جو کہ انگریزی بول رہا تھا، سامنا کے دفتر میں فون کرکے کہا کہ ہم بال ٹھاکرے اور وزیر اعلیٰ جوشی کو چوبیس گھنٹے میں ختم کرڈالیں گے۔ جب اس شخص سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو تو اس نے کہا کہ ہم بنگلہ دیشی مسلمان ہیں اور بمبئی سے بول رہے ہیں۔ اس نے بقول اخبار شیوسینا کے ہیڈکوارٹر کو بھی اڑادینے کی دھمکی دی۔

اس دھمکی کے جواب میں بجائے اس کے کہ بال ٹھاکرے سنجیدہ رویہ اپنائیں زہر افشانی پر اتر آئے۔ اپنے انٹرویو میں انہوں نے شیوسینکوں سے کہا کہ اگر ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کریں اور حملہ آور کی پوری قوم کو تباہ وبرباد کردیں، یہ کام صرف مہاراشٹر میں نہیں بلکہ پورے ملک میں کرنا ہوگا۔ انہوں نے پولیس سے کہا کہ وہ مشتبہ مساجد پر چھاپہ ماریں کیونکہ گولڈن ٹمپل پر چھاپہ مارنے کی مثال موجود ہے۔ ٹھاکرے کے انٹرویو کی سرخی تھی "مجھ پر حملہ کیا تو پوری قوم کو تباہ وبرباد کردیں گے"۔

انہوں نے مزید جارحانہ تیور اپناتے ہوئے کہا کہ "شیوسینکوں نے اپنی مردہ ماں کا دودھ نہیں پیا ہے، اگر کسی نے میرے بال کو بھی چھونے کی کوشش کی تو اس کی پوری قوم کو نہ صرف مہاراشٹر میں بلکہ پورے ہندوستان میں تہس نہس کردیا جائے گا۔ اگر کسی نے اس انداز میں مجھے دھمکانے کی کوشش کی تو پورے ملک میں اس کی قوم نہیں رہ پائے گی۔ میرے شیوسینک ان کو تاخت وتاراج کردیں گے۔ اگر کسی نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تو اس کی قوم اس زمین پر نہیں بچے گی اور میں اپنے سینکوں کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہوں"۔

اس ملک میں فسطائیت کے عروج سے سیکولر اور امن پسند عوام کو اس لئے تشویش ہورہی ہے کہ جب اس قسم کی تنظیمیں مبینہ بنگلہ دیشی مسلمانوں کی بات کرتی ہیں تو ان کا مقصد صرف بنگلہ دیشی مسلمانوں سے نہیں ہوتا بلکہ بنگلہ زبان بولنے والے پورے مسلم فرقے سے ہوتا ہے۔ جب وہ پاکستانی دراندازوں کی بات کرتے ہیں تو اس کا تعلق حقیقی دراندازوں سے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے بال ٹھاکرے کی یہ دھمکی نہ صرف مبینہ بنگلہ دیشی مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری مسلم قوم کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔

حال ہی میں پولس نے چالیس سالہ مومن بائی اور اس کے 16 سالہ بیٹے ربیع کو گرفتار کرلیا کیونکہ ان پر بنگلہ دیشی ہونے کا شبہ ہے۔ جب کہ وہ مرشد آباد، مغربی بنگال کے رہنے والے ہیں، اس کے شوہر کو جب خبر ہوئی تو وہ اپنے کاغذات لے کر بمبئی آیا مگر اشاپ ہل کی پولیس نے اسے صحیح ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ اب تو عدالت ہی انہیں چھوڑ سکتی ہے۔ مہاراشٹر ویلفیئر سینٹر کے جنرل سکریٹری محمد حنیف کا کہنا ہے کہ پولیس رات میں دستک دیتی ہے تاکہ سب لوگ اپنے گھروں میں مل جائیں۔ ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہم پولیس اسٹیشن چل کر اپنی شہریت ثابت کرنے کو تیار ہیں لیکن پولیس نہیں مانتی اور لوگوں کو گرفتار کرلیتی ہے۔

بنگالی پورہ کے مسلمانوں کی یہ عام شکایت ہے کہ پولیس انہیں بنگلہ دیشی کہکر ہراساں کرتی ہے، تاکہ وہ نئی حکومت کو یہ بتا سکیں کہ وہ اپنے فرائض میں کتنے مستعد ہیں، غلام مصطفیٰ، محمد علی، محمد عبدالحق اور دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ اسپیشل برانچ کے لوگ تقریباً تیس افراد کو بنگلہ دیشی کہہ کر پکڑ لے گئے ہیں، عبدالحق جو کہ بیس سال قبل چوبیس پرگنہ سے آیا تھا اور جس کے پاس شہریت کے تمام ثبوت ہیں، اسے بھی پولیس والوں نے بنگلہ دیشی گھس پیٹھیا کہہ کر گرفتار کرلیا تھا۔

یہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ فسطائیت کا عروج اس ملک کو تباہی وبربادی کے غار میں پہنچا دے گا اور ہندو راشٹر کے قیام کے نام پر ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جائیں گے۔ اگر امن پسند اور سیکولر عناصر ملک کی سلامتی چاہتے ہیں تو ان فاشسٹ طاقتوں کی سرگرمیوں پر قدغن لگانی ہوگی۔ بصورت دیگر کیا ہوگا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

”ایک ہندوستانی کی حیثیت سے میں ہندوتو پرست مسلمان ہوں“

یہ ہیں منوہر جوشی کابینہ کے اکلوتے مسلم وزیر اور پہلے مسلم شیو سینک

صابر شیخ

ممکن ہے کہ مہاراشٹر کے تازہ ترین وزیر محنت وروزگار واوقاف صابر شیخ میں انہیں عام سطح سے اٹھانے والی کوئی ایسی بات نہ ہو لیکن ان کی غیر معمولی سیاسی وفاداریاں اپنی پارٹی اور کابینہ میں انہیں جمائے رکھنے کے لئے خاصی انوکھی لگتی ہیں اور اسی لئے مسلمان شیوسینک کا نام سن کر بڑا تعجب بھی ہوتا ہے۔

ان کے جیسے مذہبی خیالات کا آدمی شیوسینا میں کیا کررہا ہے یہ سوال اکثر ذہنوں کو پریشان کرتا ہوگا۔ ہاں یہ سوال خود بال ٹھاکرے کی فوج کے وفاشعار پیدل سوار کو پریشان نہیں کرتا جو پارٹی کے اس دعوے کی تشہیر میں مصروف رہتا ہے کہ لوگ شیوسینا کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی مخالف نہیں بلکہ صرف ملک دشمن عناصر کی مخالف ہے۔ اس طرح صابر شیخ شیوسینا کی سیکولر اقدار کے نمائندے کی حیثیت سے خود کو پیش کرتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ شیوسینا کی حمایت میں وہ تنہا نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بھی موجود ہیں۔

صابر شیخ کا آبائی وطن شیواجی کی جائے پیدائش شیونیری کے قریب نارائن گاؤں ہے اور وہ شیواجی کے گہرے عقیدت مند بھی ہیں۔ 1966 سے ہی شیوسینا میں ہیں۔ بقول خود وہ فرزندان وطن پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف مارمک میں شائع ہونے والی بال ٹھاکرے کی تحریروں نے گویا ان کے دل کو چھو لیا اور انہوں نے شیوسینا میں شمولیت کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خود کو پہلے مراٹھا اور بعد میں مسلمان سمجھتے ہیں لیکن اس سے بھی خبردار کرتے ہیں کہ انہیں غلط نہ سمجھا جائے کیونکہ وہ صوم وصلوٰۃ کی پوری پابندی کرتے ہیں۔

حیرت کی بات نہیں اگر ان کے اس فیصلہ پر ان کے خاندان کے افراد کی طرف سے بعض اندیشوں کا اظہار کیا گیا ہو۔ مثلاً ان کے بھائی نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ اگر بال ٹھاکرے نے اپنا مذہب ترک کردینے کے لئے کہا تو وہ کیا کریں گے تو ان کا جواب یہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو میں سینا سے الگ ہوجاؤں گا۔ لیکن اگر کوئی شخص وطن سے غداری کو اسلام کا نام دے تو میں اسلام سے دست بردار ہوجاؤں گا۔ ٹھاکرے نے ان کے ان جذبات کی قدر کی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اٹھائیس سال سے سینا سے وابستہ ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ اپنے مذہب پر فخر کرنے والے مسلمان کے خلاف جب اسی کی پارٹی والے زہر افشانی کرتے ہیں تو ایسے میں وہ ان سے کیوں کر نباہ کرتے ہیں تو انہوں نے ڈھٹائی سے کہا کہ کیسی زہر افشانی۔ اور جب "سامنا" میں بال ٹھاکرے کے بیان کی طرف اشارہ کیا گیا تو وہ بڑے

صابر شیخ: "پہلے میں مراٹھا ہوں پھر مسلمان"

اطمینان سے بولے کہ یہ بیانات مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ وطن دشمن مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک وطن مخالف مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو کسی کرکٹ میچ میں پاکستان کی فتح پر خوشی کے اظہار کے طور پر پٹاخے چھوڑتا ہے۔

یہ پوچھے جانے پر کہ اگر اس تعریف کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جو اس انداز میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ایسے لوگ تو ایک فیصدی ہی ہوسکتے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ باقی ننانوے فیصد اس رجحان کی مذمت کے لئے آگے کیوں نہیں بڑھتے۔ صابر شیخ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ ہزاروں مسلم ہلاک شدگان اور دہشت زدگان کو وطن دشمن قرار دینا کس حد تک انصاف پر مبنی ہے۔ تو انہوں اس خیال کا اظہار کیا کہ فسادات کبھی ہونے ہی نہیں چاہئیں اور اس میں شک نہیں کہ فسادات میں ہزاروں معصوم ہندو اور مسلمانوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں لیکن اس سارے خون خرابے کو روکا جاسکتا تھا اگر مسلمان پہلی فرصت میں خوش اسلوبی اور وقار کے ساتھ بابری مسجد ہندوؤں کے حوالے کردیتے۔ محض اس بات کے پیش نظر کہ اس جگہ سے ان کی عقیدت واحترام وابستہ ہے۔ ان خیالات کی بناء پر سینا کے ایک مبصر نے انہیں ہندوؤں سے زیادہ پرجوش ہندتو نواز قرار دیا ہے جن پر کسی بھی متشدد ہندو کو فخر ہوسکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے مفاد کی نمائندگی بھی کی ہے مثلاً یہ کہ سڑکوں پر نماز پڑھنے کے سنگین مسئلے پر انہوں نے اس طرح توجہ دی ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد ان کی پارٹی پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ مسجدوں میں جگہ کی کمی کے باعث لوگ سڑکوں پر نماز پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں اسی لئے مساجد کے اندر ایک اور منزل کی جگہ بنانے کے امکان پر سنجیدگی کے ساتھ ٹھنڈے ماحول میں غور کیا جارہا ہے۔ گویا کہ اس مسئلہ کے تئیں پارٹی کا رجحان یکسر تبدیل ہوا ہے۔

اپنے انتخابی حلقے میں صابر شیخ خاصے مقبول ہیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کی حالت سدھارنے کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا ہے اگر چہ بہت سے مسلمان انہیں بدعہد اور مرتد سمجھتے ہیں لیکن وہ ان الزامات سے بے نیاز رہتے ہیں ان کی دلیل اس سلسلے میں یہ ہوتی ہے کہ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے میں ہندتو پرست بھی ہوں۔ ہندتو کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ہندوستان کی تہذیب ہے۔ کوئی آدمی اپنا مذہب تو بدل سکتا ہے تہذیب نہیں بدل سکتا۔

بمبئی میں فاشزم اور نازی ازم کی ریہرسل

فسطائیت اور ظلمت پرستی دھیرے دھیرے پورے ملک کو اپنے پنجے میں دبوچ رہی ہے

تحریر ---------- ڈاکٹر محمد حسن

لیجئے۔ حالیہ انتخابات کے نتیجے آگئے۔ یہ حیران کن نتیجے ملک کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ مہاراشٹر اور سب سے دولت مند ریاست گجرات میں بی جے پی اور شیو سینا جیسی فرقہ پرست پارٹیوں کا بول بالا ہوا اور انتخابات کے بعد جو خبریں اخبارات میں چھپی ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ۔ اس میں کچھ ادھر کا اشارہ بھی تھا۔ یعنی کانگریس کے رہنما شرد پوار جو خیر سے مہاراشٹر کے وزیراعلی بھی تھے شیوسینا کے سرپرستوں سے بھی میل جول رکھتے تھے اور یہی حال گجرات کی اس کانگریسی حکومت کا تھا جو جنتادل کے رہنماؤں کے کانگریس کی طرف ڈھلک جانے سے بنی تھی۔

سیاسی پارٹیوں اور ان کے رہنماؤں کے لئے یہ محض لیبل کی تبدیلی تھی۔ جھنڈے کا رنگ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو رنگ چوکھا آنا چاہئے۔ مگر ملک میں جمہوریت کو عزیز رکھنے والے اور یہاں کے جمہور کو عزیز تر رکھنے والوں کے لئے نفرت کے پرچار اور خون خرابے کا بیوپار کرنے والی ان پارٹیوں کا اقتدار میں آنا اور گجرات اور مہاراشٹر جیسی ریاستوں میں اقتدار میں آنا پورے ملک کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

بی جے پی ہو یا شیو سینا دونوں کھلم کھلا اور پوری بے شرمی سے ہندو فرقہ پرستی کی پارٹیاں ہیں کمال تو یہ ہے کہ سیشن ہوں یا سپریم کورٹ کے قانون داں، وہ ان پارٹیوں کو ملک کے سیکولر دستور کے ہوتے ہوئے الیکشن میں حصہ لینے اور حکومتیں بنانے کی آزادی دیتے ہیں۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ گاندھی جی کے خون کے دھبے بی جے پی (جو پہلے جن سنگھ اور دوسرے ناموں سے جانی پہچانی جاتی رہی ہے) کے دامن پر تھے اور آج بھی سنگھ پریوار کی پارٹیوں اور شیوسینا کے طرز عمل میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا وہ آج بھی ہندوستان کو صرف ہندوؤں اور مہاراشٹر کو صرف مرہٹوں کا علاقہ جانتے ہیں۔ اور جب ملک کے کسی حصے میں اس قسم کی فرقہ پرست حکومت ہو تو ملک کے ہر حصے میں اسی قسم کی تنگ نظری پھیلنے کے یا امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

نظریاتی لیبل اور پارٹیوں کے نام ونشان کا معاملہ الگ ہے۔ حال میں ہندو فرقہ پرستی نے ملک میں جو جارحانہ رخ اختیار کر رکھا ہے مہاراشٹر اور گجرات کی یہ کروٹ اس کا ایک اور ثبوت ہے۔ اب ظلمت پرستی بڑھ کر بولنے لگی ہے اور دھیرے دھیرے پورے ملک کو اپنے پنجے میں دبوچ رہی ہے۔ سنا ہے اٹل بہاری باجپئی جی شمالی ہند کی بعض ریاستوں کا دورہ کرکے مسلمانوں کو بھی اپنی اطاعت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

مہاراشٹر میں رجعت پسندی کی یہ جیت کیونکر ممکن ہوسکی خاص طور پر اس وقت جب کہ بمبئی ایک کھلا ڈلا شہر ہے جس کی آبادی خاص طور پر دوسرے شہروں کے مقابلے میں زیادہ روشن خیال سمجھی جاتی ہے۔ یہاں تعصب کی گندگی بظاہر جان لیوا حد تک نہیں پھیلی ہے تعلیمی طور پر بھی اور کاروباری لحاظ سے بھی بمبئی شاید ہندوستان کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے اور اگر ایسا روشن خیال شہر اور ایسی روشن خیال ریاست بھی بی جے پی اور شیو سینا کی جارحانہ فرقہ پرستی کے جال میں پھنس سکتی ہے تو پھر آنے والے ہندوستان میں سیکولرزم کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔

اس قسم کے انتظام واقتدار سے اسی قسم کے اقدامات کی توقع کی جاسکتی ہے مگر سوال صرف یہ ہے کہ کیا ملک کا جمہوری ضمیر یا اس کا باقیماندہ حصہ اس قسم کی رجعت قہقری کو برداشت کرے گا۔ مانا کہ اس قماش کی ظلمت پسندی کو اہم صنعتی ریاست کا تخت وتاج حاصل ہوگیا ہے اور اگر اس کا مقابلہ نہیں کیا گیا تو یہی طاقتیں کل دلی کے تخت وتاج پر بھی قابض ہوسکتی ہیں، مگر آخر جمہوریت میں اس قسم کے عناصر کا مقابلہ ہمیشہ وسیع تر رائے عامہ سے اور ایک زیادہ طاقتور عوامی طاقت ہی کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔

جرمنی میں ہٹلر کا عروج اٹلی میں مسولینی کا عروج بھی بظاہر اسی قسم کے جمہوری طریقوں سے ہوا تھا۔ انتخابات میں کچھ دھاندلی اس کے بعد زور وزبردستی سے ملک کے آئین میں تبدیلی۔ کچھ یہودیوں اور مخالف سیاسی لابی پر شدت۔ اور پھر نازی ازم اور فاشزم۔ بمبئی اور گجرات میں جو کچھ ہوا وہ اسی طریق کار کی ریہرسل ہے اور اس ریہرسل میں فاشزم کے حمایتی ہی نہیں بظاہر اس کے کچھ "مخالف" بھی شامل ہیں کہ ان کا اس میں کیا جاتا ہے۔

جمہوریت ملک میں محدود یا مضروب ہوتی ہے تو اس کی سیدھی ضرب پڑتی ہے اقلیتوں پر، اور اقلیتوں میں بھی سب سے پہلے ملک کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں پر۔ اس میں ٹاڈا ہو یا غیر ملکی کہہ کر ملک بدر کرنے کا اعلان۔ لہٰذا جمہوریت کی حفاظت کی سب سے پہلی لڑائی بھی انہی کو لڑنی ہوگی وہ بھی اس طرح کہ اس میں ملک کے سبھی جمہوریت پسند شریک ہوسکیں اور ان سب کی بھرپور حمایت انہیں حاصل ہوسکے۔

سب سے پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ اس قسم کی جمہور دشمن طاقتوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ہوگا اور اس مورچے میں ہر قسم کے اور ہر فرقے کے لوگ ہوں گے کیونکہ جمہوریت سب کے لئے ہے۔ اگر ملک کا دستور بنانے والوں نے ملک کے دستور میں یہ شق شامل نہیں کی ہے کہ کسی مذہبی فرقے یا کسی علاقائی گروہ کے لئے مذہب اور علاقے کی بنیاد پر تعصب پیدا کرنے کی گنجائش نہ رکھی جائے اور ان بنیادوں پر جذبات بھڑکا کر الیکشن لڑنے پر پابندی لگائی جائے تو اس کے لئے ملک گیر تحریک کی ضرورت ہے۔ دستور آسمان سے اترے ہوئے خدائی فرمان نہیں ہوتے وہ عوام کے لئے بنائے جاتے ہیں اور عوام کے نمائندوں کے ذریعے بنتے ہیں اور حالات کے مطابق ان میں ترمیم اور اضافے ہوتے رہتے ہیں بلکہ کھلم کھلا آج بھی ایک سے زیادہ رجعت پسند پارٹی ہندوستان کے دستور اساسی میں ترمیم کرنے کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی جمہوریت پسند خصوصا مسلمان دستور اساسی کی سیکولر روح کی حفاظت کریں اور اس کے لئے آواز بلند کریں۔ ہر ملک میں جمہوریت کا سب سے موثر پیمانہ اقلیتیں ہوتی ہیں لہٰذا ہمارے دستور میں اگر ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہمارا دستور کھلے عام فرقہ واریت اور اکثریت کے مذہب کے نام پر دوسری مذہبی اقلیتوں پر فوقیت حاصل کرسکتی ہیں اور اس طرح جارحانہ قوم پرستی کے نام پر فرقہ پرستی کو بڑھاوا دے کر پوری قوم کو تنگ نظری کے گڑھے میں ڈھکیل سکتی ہیں تو ضروری ہے کہ اس کا تدارک کیا جائے۔

فاشزم کے علمبردار: بال ٹھاکرے، باجپئی، اڈوانی اور ان کے پیچھے کھڑے ہیں مہاراشٹر کے وزیراعلی منوہر جوشی

جمہوری مورچہ محض ایک فرقے یا گروہ کے حقوق کی محافظت نہیں کرے گا بلکہ اس قسم کی خفیف الحرکاتی کے خلاف بھی موثر ڈھنگ سے آواز اٹھائے گا۔ جیسے شہر عثمان آباد اور اورنگ آباد کے نام بدلنا۔ یا اس سے بھی زیادہ بڑا مورچہ ہے فرقہ وارانہ فساد کا جس کے لئے مختلف فرقوں کے درمیان منافرت پیدا کرکے دھیرے دھیرے فساد کا سامان فراہم کیا جاتا ہے اور تجربے نے بتایا کہ اس قسم کے تمام فسادات میں چاہے خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر گرے کٹنے والا خربوزہ ہی ہوتا ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مہاراشٹر اور گجرات میں الیکشن جیتنے والی پارٹیاں وہ ہیں جنہیں کسی اور نے نہیں خود حکومت ہند نے بابری مسجد کے انہدام کا ذمہ دار قرار دیا تھا ان کی کئی صوبائی حکومتوں کو برخاست کیا تھا اور بال ٹھاکرے کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا تھا اب یہ حال ہے کہ بقول مجروح :

آیا ہے ہمارے دیش میں بھی اک دور زلیخائی یعنی
اب وہ غم زنداں دیتے ہیں جن کو غم زنداں ہونا تھا

مگر وہ جو کسی نے کہا ہے چھپے ہوئے دشمن سے کھلم کھلا دشمن کہیں بہتر ہوتا ہے جو لوگ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اب بھی ان فرقہ پرست اور ملک دشمن طاقتوں سے سمجھوتا کرکے اپنا کام چلانا چاہتے ہیں انہیں ان کی مصلحتیں مبارک ہوں مگر سچائی یہ ہے کہ جمہوریت کو اس ملک میں برملا للکارا گیا ہے اور ضرورت ہے کہ اس للکار کا اقلیتیں ہی نہیں اکثریت کے بھی سبھی انصاف پسند ہمت اور جرأت سے جواب دیں۔

ان تاریخی عمارتوں پر نظر ڈالئے جو آپ کی اور میری نہیں پورے ملک کی تہذیبی امانت ہیں، ان مقدس روایات کا خیال کیجئے جو صدیوں سے یہاں کے ہندو اور مسلمان ہی کو نہیں یہاں کے مختلف علاقوں کو ایک دوسرے سے قریب کرتی آئی ہیں، ان زبانوں کا خیال کیجئے جو مختلف ہیں مگر جن کو ہمارے کروڑوں ہندو مسلم سکھ عیسائی پارسی بہن بھائی صدیوں سے بولتے آئے ہیں، ان روایات کی طرف دھیان کیجئے جو ہمارے درمیان مشترک ہیں۔ اور ان سب دلیلوں اور شہادتوں کو باہمی نفرت میں تبدیل کرنے والی چند اندھی طاقتوں کا تصور کیجئے جو اپنے منافع کے لئے اس مشترک میراث کو جلا کر راکھ کرنا چاہتی ہیں۔

یہ ہندوستان کو ایک نہیں کئی منطقوں میں بانٹ دینے کی گھناونی سازش ہے جس کا مقابلہ صرف محبت اور آشتی۔ یگانگت اور بھائی چارگی کو مضبوط کرکے ہی ممکن ہے۔ یہ مانا کہ مقابلہ سخت ہے اور جن تخریبی عناصر سے مقابلہ ہے ان کے پاس وسائل کی کمی نہیں اور پھر ان وسائل کو بین الاقوامی حمایت بھی حاصل ہے مگر ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں جب قوموں کو اپنے زندہ رہنے کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ بی جے پی ہو یا شیوسینا ان کی پہلی ضرب مسلمانوں ہی پر پڑے گی لیکن اسے محض مسلمانوں کا مسئلہ کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا کیونکہ تنگ نظری ایک ایسا مرض ہے جو سرطان کی طرح بڑھتا اور پھیلتا ہی چلا جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے پہلے حملے کے جو نشانہ ہوں وہ آگے بڑھ کر دوسرے شہروں اور ملک کے دوسرے رہنے والوں کو بھی آگاہ کریں ہرچند وہ اس کے پہلے شکار ہیں مگر یہ بیماری یہاں ختم ہونے والی نہیں ہے۔

ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ تمام پارٹیاں جو بابری مسجد کو توڑنے پھوڑنے میں اپنے "قابل فخر" کارناموں کا ذکر کرتے نہیں تھکتیں ہندوستان کے باہر مسلمان ملکوں کی حکومتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کی مملکتوں میں اپنا فائدہ حاصل کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔ گویا ان کا دشمن ہے تو ہندوستانی مسلمان ہے۔ جہاں وہ ہندوستان کی سرحدوں سے باہر نکلیں وہاں ان کی زبان سیکولر، ان کا لہجہ قوم پرستانہ اور ان کا رویہ بڑا بین الاقوامی ہوجاتا ہے۔

کردار کے اس دوغلے پن کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور شاید اسی سے ان کا تدارک بھی ممکن ہے۔ غرض مہاراشٹر اور گجرات کے انتخابات کے نتائج نے ایک بار پھر ان لوگوں کو جھنجھوڑ دیا ہے جو راجستھان، اترپردیش، مدھیہ پردیش اور ہماچل پردیش کی حکومتوں کی برخاستگی کے بعد سے مطمئن ہوکر لمبی تان کر سوگئے تھے کہ :

ابھی بہار نے مانی کہاں خزاں سے ہار
ستم گرو ابھی اہل کفن کچھ اور بھی ہیں

جرمنی میں ہٹلر کا عروج اٹلی میں مسولینی کا عروج بھی بظاہر اسی قسم کے جمہوری طریقوں سے ہوا تھا۔ انتخابات میں کچھ دھاندلی اس کے بعد زور وزبردستی سے ملک کے آئین میں تبدیلی۔ کچھ یہودیوں اور مخالف سیاسی لابی پر شدت۔ اور پھر نازی ازم اور فاشزم۔ بمبئی اور گجرات میں جو کچھ ہوا وہ اسی طریق کار کی ریہرسل ہے اور اس ریہرسل میں فاشزم کے حمایتی ہی نہیں بظاہر اس کے کچھ "مخالف" بھی شامل ہیں کہ ان کا اس میں کیا جاتا ہے۔

نوٹ: سرورق پر ہندوستان کا نقشہ ایک غیر ملکی انگریزی میگزین "ایشیا ویک" سے لیا گیا ہے۔

"فلسطینیوں اور لبنانیوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ امریکہ پر حملہ کریں"

رمزی یوسف کے انقلابی بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدمے میں سرگرم حصہ لے گا

رمزی احمد یوسف نے وکیل صفائی رائے کلسکر کے مشورے کے برعکس پریس کو دو بیانات جاری کئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدمے میں دوسرے چار "ملزموں" کی بہ نسبت زیادہ سرگرم حصہ لے گا۔ دوسرے چار ملزموں نے کسی قسم کا بیان نہیں دیا اور صرف یہ کہا کہ وہ مجرم نہیں ہیں۔

پریس کو دیئے گئے اپنے بیانوں میں رمزی یوسف نے کہا کہ اسرائیل کی غیر مشروط امریکی امداد کے بعد فلسطینیوں اور لبنانیوں کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ امریکہ پر حملہ کریں۔ اس بیان سے بظاہر اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ رمزی یوسف نے 93 میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو بم سے ازانے کی کوشش کی تھی جس میں چھ افراد ہلاک اور ایک ہزار سے زائد زخمی ہوگئے تھے۔ اگرچہ رمزی یوسف نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا ذکر نہیں کیا اور اس ضمن میں اس کا کہنا بھی یہی ہے کہ وہ مجرم نہیں ہے لیکن مخالف یا سرکاری وکیل اس کے اس بیان کو اس کے خلاف استعمال کریں گے۔ ان مخالف وکیلوں کے بقول ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر بم سے حملہ کرنے کا مقصد امریکہ کو اسرائیل نوازی کی سزا دینا تھا۔

رمزی یوسف نے ادھر خود ہی اپنی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کا نام عبدالباسط بلوچی ہے۔ اس کی عمر 26 سال ہے۔ وہ الیکٹرانک انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ دھماکہ خیز مادوں کا ماہر بھی ہے۔ اس کا یہ اعتراف مقدمے کی کارروائی کے دوران اس کے خلاف جاسکتا ہے۔

> اس کے بقول ان امریکی افسروں اور سپاہیوں کو ہیرو کہا جاتا ہے جنھوں نے جنگ عظیم ثانی کے دوران لاکھوں معصوم جاپانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مگر اس کے مقابلے میں ان فلسطینی ولبنانی مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جاتا ہے جو "مسلم زمینوں" پر غاصبانہ طور سے قابض اسرائیل پر اس لئے حملہ کرتے ہیں تاکہ ان کے قبضہ سے اپنے وطن کو آزاد کراسکیں اور اپنی جائدادیں دوبارہ حاصل کرسکیں۔

رمزی یوسف ایک بے خوف اور بہادر انسان ہے وہ پڑھا لکھا اور ذہین بھی ہے۔ وہ خود کو مجرم نہیں کہتا بلکہ اس کا امریکہ پر الزام ہے کہ اس نے غیر قانونی طور پر اسے پکڑ کر جیل میں بند کر رکھا ہے۔

ادھر وہ چند دنوں سے اخبارات ورسائل اور مختلف کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس مطالعے کے بعد ہی اس نے مذکورہ بیانات پریس کو جاری کئے۔

ان بیانات میں رمزی یوسف نے جو باتیں کہی ہیں وہ امریکہ کی اسرائیل نوازی کی پالیسی پر سخت تنقید ہیں۔ اس کے بقول امریکہ اسرائیل کی بے پناہ معاشی وفوجی مدد کے ذریعہ یا یوں کہئے کہ بالواسطہ بے شمار فلسطینیوں اور لبنانیوں کو قتل کر رہا ہے۔ اس لئے ان دونوں گروہوں کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ بھی امریکہ کے فوجی وغیر فوجی ٹھکانوں پر حملہ کریں۔

رمزی یوسف: میں بے قصور ہوں امریکہ نے مجھے غیر قانونی طریقے سے جیل میں بند کر رکھا ہے

اس بیان میں رمزی یوسف نے امریکہ اور اس کے ہمنوا دانشوروں کے دوہرے معیار کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کے بقول ان امریکی افسروں اور سپاہیوں کو ہیرو کہا جاتا ہے جنھوں نے جنگ عظیم ثانی کے دوران لاکھوں معصوم جاپانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس نے مزید کہا کہ اس جنگ میں امریکہ سے انسانی تاریخ کے گھناونے ترین دہشت گردانہ جرائم سرزد ہوئے مگر اس کے باوجود انہیں دہشت گرد نہیں کہا جاتا۔

مگر اس کے مقابلے میں ان فلسطینی ولبنانی مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جاتا ہے جو "مسلم زمینوں" پر غاصبانہ طور سے قابض اسرائیل پر اس لئے حملہ کرتے ہیں تاکہ ان کے قبضہ سے اپنے وطن کو آزاد کراسکیں اور اپنی جائدادیں دوبارہ حاصل کرسکیں۔ رمزی یوسف نے مزید کہا کہ "قتل، تشدد، قید وبند اور جبری ملک بدری وہ ہتھیار ہیں جو اسرائیل فلسطینیوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔

رمزی کا یقین ہے کہ اسرائیل یہ سب بے خوف وخطر امریکہ کی زبردست معاشی، سیاسی، فوجی اور سفارتی حمایت کی وجہ سے کر رہا ہے۔

جیل سے رہائی کے فوراً بعد مائک ٹائسن نے ایک قریبی مسجد میں نماز ادا کی

ٹائسن محمد علی کلے کے بعد دوسرے عظیم باکسر ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے

عظیم باکسر محمد علی کلے کے بعد مکے بازی کے میدان میں سنسنی پھیلانے والے مائک ٹائسن 25 مارچ کو جیل سے رہا ہو کر اپنے گھر آگئے ہیں۔ وہ شاید جلد ہی دوبارہ رنگ میں اتر کر اپنے حریفوں کو شکست دیکر لاکھوں ڈالر کی تجارت شروع کر دیں۔

مائک ٹائسن (سفید ٹوپی میں) پلین فیلڈ کے اسلامی مرکز سے نماز کرنے کے بعد باہر جاتے ہوئے

ٹائسن کو 1991 میں ایک لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کے جرم میں تین سال جیل کی سزا ہوئی تھی۔ ڈیزائری واشنگٹن انڈیانا پولس کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھی جہاں اس کے بقول ٹائسن نے اس کے ساتھ زبردستی زنا کی تھی۔ مگر ٹائسن کا کہنا ہے کہ اس میں مس واشنگٹن کی مرضی بھی شامل تھی۔ مگر کورٹ نے ٹائسن کی بات رد کر کے مس واشنگٹن کے الزام کو درست قرار دیتے ہوئے اس عظیم باکسر کو تین سال کے لئے جیل بھیج دیا تھا۔

امریکی جیلوں میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو قیدیوں سے ملنے اور ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کی اجازت ہے۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مسلمان محمد صدیق نے ٹائسن سے جیل میں رابطہ قائم کر کے اسے اسلام کی طرف راغب کیا اور اس طرح وہ محمد علی کلے کے بعد دوسرے عظیم مکے باز ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ سر پر گول ٹوپی پہنے ہوئے ٹائسن کی تصویر ساری دنیا کے اخباروں نے نمایاں انداز میں شائع کی ہے۔

جیل سے نکلنے کے وقت ٹائسن کا استقبال کرنے والوں میں محمد صدیق کے علاوہ ان کے منیجر ڈان کنگ بھی تھے۔ ٹائسن کے مداح مقامی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی وہاں موجود تھی۔ ٹائسن مغرب سے تھوڑا قبل جیل سے برآمد ہوئے اور سیدھے اپنے لئے منتظر ایک کار کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں موجود اخباری نمائندوں سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ بعد میں ان کی طرف سے ایک ٹائپ کیا ہوا بیان اخبارات کو جاری کیا گیا جس میں رہائی پر خوشی کے اظہار کے ساتھ انہوں نے اپنے تمام خیر خواہوں کا شکریہ ادا کیا۔

جیل سے رہائی کے فوراً بعد ٹائسن مقامی مسلمانوں کی ایک قریبی مسجد میں گئے جہاں انہوں نے نماز ادا کی۔ اس موقع پر ایک خبر کے مطابق محمد علی بھی ان کے استقبال اور حوصلہ افزائی کے لئے موجود تھے۔ مگر بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ علی ابھی ٹائسن سے ملنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

محمد علی اور ٹائسن دونوں کے مکے بازی کے انداز میں نمایاں فرق ہے مگر اب دونوں کے درمیان قدر مشترک ان کا اسلام ہے۔ دونوں میں یہ مماثلت بھی ہے کہ دونوں ہی کو بوجوہ تین برس رنگ سے باہر رہنا پڑا۔ ٹائسن زنا کے الزام میں تین سال کے لئے جیل بھیج دیئے گئے تھے۔ جب کہ محمد علی کو جنگ ویتنام میں شرکت سے انکار کرنے پر انتہائی غیر قانونی طور سے نہ صرف ان کا خطاب چھین لیا گیا تھا بلکہ انہیں تین برس رنگ سے باہر رہنا پڑا تھا۔ بعد میں کورٹ سے مقدمہ جیت کر وہ نہ صرف رنگ میں اترے بلکہ باکسنگ کا عالمی خطاب بھی دوبارہ جیت لیا۔

ایسا لگتا ہے کہ ٹائسن بھی رنگ میں جلد ہی اتریں گے۔ مگر یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا کہ وہ محمد علی کی طرح دوبارہ اپنا خطاب واپس جیت سکیں گے یا نہیں۔ ٹائسن نے پہلی بار عالمی ہیوی ویٹ چمپین شپ کا خطاب 1989 میں 20 سال کی عمر میں جیتا تھا جو ایک ریکارڈ ہے۔ مگر 1990 میں جیمس ڈگلس سے ہار گئے تھے۔ یہ رنگ میں ان کی پہلی شکست تھی اور اسے مکے بازی کی تاریخ کا ایک بہت بڑا Upset قرار دیا گیا تھا۔

> محمد علی اور ٹائسن دونوں کے مکے بازی کے انداز میں نمایاں فرق ہے مگر اب دونوں کے درمیان قدر مشترک ان کا اسلام ہے۔ دونوں میں یہ مماثلت بھی ہے کہ دونوں ہی کو بوجوہ تین برس رنگ سے باہر رہنا پڑا۔

ٹائسن کے قبول اسلام پر محمد صدیق نے خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ آگاہ بھی کیا ہے کہ دنیا یہ نہ سمجھے کہ وہ راتوں رات فرشتہ بن جائے گا۔ مگر انہیں بہر حال امید ہے کہ ٹائسن اب پہلے کی بہ نسبت زیادہ بہتر انسان ثابت ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ رنگ میں دوبارہ آنے کے علاوہ ٹائسن نے نوجوانوں کی فلاح کے کاموں میں حصہ لینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

محمد علی کلے ٹائسن سے مل کر اسے مبارکباد دینے کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ایسا اس لئے بھی کریں گے کیونکہ حال ہی میں ٹائسن نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا ہے اور اب وہ ازسرنو ایک پاک زندگی کا آغاز کر رہا ہے۔ اگر میں ٹائسن سے مل کر اس سے اپنی حمایت اور یکجہتی کا اظہار نہیں کرتا تو اپنے مذہب کا تابعدار نہیں کہلاؤں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ میں اس کے ساتھ نماز پڑھوں گا اور پھر گھر جاؤں گا۔

محمد علی کلے کے بعد دوسرے مکے باز کے قبول اسلام سے امریکہ میں تبلیغ اسلام کے مشن کو زبردست فروغ ملے گا۔ واضح رہے کہ سفید فاموں کی نسل پرستی کی وجہ سے امریکہ کے سیاہ فاموں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے کیونکہ یہ مذہب رنگ ونسل کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان فرق وامتیاز نہیں کرتا۔

"یلتسن نے ہمیں مرنے کے لئے یہاں بھیج تو دیا.........مگر

لاشیں واپس لانے کے لئے اس کے پاس کفن تک نہیں ہے"

چیچنیا میں روسی فوجیوں کا غم وغصہ

گروزنی اور اس کے مضافات میں روسی اور چیچن فوجوں کے درمیان خونی معرکہ آرائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید خوف وہراس کی تاریکی وہاں سے ختم نہ ہو پائے۔ روسی فوج نے جب سے اس آزادی طلب جمہوریہ پر یلغار کی ہے وہ اس کی دولت وثروت کو کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تو دوسری جانب چیچن فوج جو اسلام پسند جنگ جوؤں کی نسل پر مشتمل ہے جنہوں نے انیسویں صدی میں زار کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اس کا موقف یہ ہے کہ کسی طور پر ہتھیار نہ ڈالا جائے۔ فریقین کے سپاہی بے پناہ تباہی کی یکساں داستان سناتے ہیں۔ روسی فوج میں 18 سے 20 سال کی عمر کے نوجوان ہیں تو چیچن فوج میں تربیت یافتہ اور تجربہ کار سابق سوویتی فوج ہیں۔ دونوں کے مسائل ایک ہیں۔

گروزنی سے 30 کلو میٹر کی دوری پر واقع ایک اسپتال میں روسی کمانڈر بونڈاریف نے چیچن فوج کے چھ سپاہیوں کو اپنی روداد سنائی کہ کس طرح وہ چیچن سپاہیوں کے حملے میں گھر گیا اور بمشکل جان بچا کر اسپتال تک پہنچ سکا۔ بونڈاریف کا بیان ہے کہ چھ سال قبل اس نے روسی فوج میں ملازمت شروع کی جب اس کی بڑی اہمیت تھی لیکن اب حال برا ہے۔ فوجیوں کو معقول تربیت نہیں مل پاتی۔ تین سال سے انہیں کوئی فوجی مشق بھی نہیں کرائی گئی۔ اس کے دستے میں ایسے بھی توپچی ہیں جو چھ ماہ کی تربیت کے باوجود یہ تک نہیں جانتے کہ توپ میں گولہ کیسے لگایا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ جب انہیں چیچنیا بھیجا گیا تو اس کا انہیں علم ہی نہیں تھا کہ وہ جا کہاں رہے ہیں تو اپنے اپنے سپاہیوں کو کیا بتاتا اور پھر اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ یہاں اسے کچھ دن ہی رہنا پڑے گا کیونکہ یہاں تو پوری طرح ہلاکت ہوگئی۔ دیگر 18 روسی سپاہی گروزنی کے قلعے میں قید ہیں۔ تین کلو میٹر پر محیط یہ علاقہ بموں میزائلوں کی آواز سے گونج رہا ہے کہ یہاں تک کہ ان کی موت سے قریب ہی جمی برف بھی پگھلنے لگی ہے۔

چیچن فوجیوں کے سامنے ایک اخلاقی مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ گرفتار شدہ روسی نوعمر فوجیوں کی جان کیونکر لے سکتے ہیں مذکورہ عارضی قید خانے کے نگراں نے روسی فوجی گلامزدین کے بے ریش چہرے اور خون آلود پٹی میں جکڑی ہوئی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اسے ذرا دیکھو اسے ہم کیسے مار ڈالیں۔ یہ ابھی بچہ ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے رونا آتا ہے۔ روسی ذمہ داران ان معصوموں کو بغیر بتائے ہوئے مرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں"۔

بونڈاریف نے یہ انکشاف کیا کہ جہاز پر سوار ہوتے وقت روسی ذمہ داران نے انہیں بتایا تھا کہ مافیا کے ہاتھوں سے چیچن عوام کو آزاد کرنے کی مہم میں ہاتھ بٹانے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ لیکن معاملہ

گرفتار شدہ روسی فوجیوں کے ساتھ چیچن مجاہدین کا مثالی حسن سلوک

اس کے برعکس نظر آیا جب 31 دسمبر کو میں نے خود کو صدارتی محل کے سامنے ایک ٹینک میں پایا جس پر چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی اور میرے کئی ساتھی مردہ پڑے ہوئے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق سیکڑوں روسی فوجی اب تک قیدی بنائے جا چکے ہیں اور قید خانے کے اندر تہہ خانے میں وہ چیچن فوجیوں کے ساتھ خورد ونوش کرتے ہیں۔ ایک چیچن رضاکار نے اس جذبہ کا اظہار کیا کہ اگر ہمارے اختیار میں ہو تو ہم ان تمام لڑکوں کو ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں۔ ہم تو روسی فوج میں رہ چکے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ روسی جنرل ہم جیسے لوگوں کو قربانی کے جانور سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے جن کے ذریعے وہ ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔

روسی فوجیوں کی مائیں جنگ کے خلاف انگشتیا سے گروزنی تک مارچ کرتے ہوئے

بونڈاریف اور گلامزدین کے کتنے ساتھی چیچنیا میں مارے گئے اس کا علم کسی کو نہیں۔ روسی پارلیمنٹ میں پیش کردہ ایک رپورٹ کے مطابق 394 ہلاک اور ایک ہزار زخمی ہوئے۔ لیکن روسی پالیمانی نائب لیزدین نے اپنے دورہ چیچنیا کی بنیاد پر یہ بیان دیا ہے کہ سڑکوں پر پائی جانے والی لاشوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں اس کی تصدیق خود روسی فوجیوں کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ کچھ ہی دن پہلے گرفتار ہونے والے کارپورل کستاریف نے بتایا کہ آلو کے بوروں میں بھر کر روسی فوجیوں کی لاشیں ہر رات ٹرکوں میں لے جائی جاتی ہیں اس طرح کہ ہاتھ اور پیر بورے سے باہر نکلے ہوتے ہیں۔ ہماری ماؤں سے بورس یلتسن کیا کہے گا یہی کہ اس نے ہمیں یہاں مرنے کے لئے بھیج تو دیا لیکن ہمیں گھر واپس لانے کے لئے کفن بھی اس کے پاس نہ تھا۔

جنگ کے ہاتھوں چیچن عوام پر مسلط مصائب کے باوجود روسی قیدیوں کے ساتھ یہ رحمدلانہ برتاؤ واقعی قابل تعریف ہے۔ گروزنی کی دس لاکھ آبادی جنگ کی تباہ کاری سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ گروزنی تو راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے اور اب بھی وہاں شہری نشانوں پر بمباری جاری ہے۔

مختلف افراد جنہوں نے آگ اور خون کا کھیل خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ اس سے جاں بر ہو جانا یقیناً معجزے سے کم نہ تھا۔ جدھر نظر اٹھائیے خون ہی بکھرا پڑا تھا۔ لوگ ملبے کے نیچے دبے چیخ چلا رہے تھے۔

روسی فوجی صدارتی محل میں جس واحد شخص کی جان کے درپے تھے وہ چیچن علیحدگی پسند قائد جوہر دودائیف تھے جو اس وقت گروزنی میں موجود ہی نہ تھے۔ گروزنی کا منوکتا اسکوائر جہاں پر ہو کا سماں ہے اور بموں اور میزائل کے حملوں کے درمیان کسی کو سر اٹھا کر چلنے کی ہمت نہیں ہوتی وہاں بندوق بردار روسی سپاہیوں کے خبردار کرنے کے جواب میں کراہتی ہوئی اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی ضعیفہ کی آسیب صفت آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی کہتی ہے کہ کل ہم سب موت کی گود میں سو جائیں گے۔ گویا کہ اب زندگی اور موت میں کوئی خاص فرق رہ نہیں گیا۔

روسی سفاکیت کی دنیا بھر میں مذمت ہو رہی ہے

روسی صدر بورس یلتسن کی "معصومیت" اور چیچنیا کے بے گور وکفن مہلوکین کی یاد میں پارلیمنٹ سے ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرنے کی درخواست مگر مچھ کے آنسو سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

یلتسن نے چیچن حکومت کو منشیات کا دھندہ کرنے والی کولمبیائی ایجنسیوں سے تشبیہ دے کر چیچن عوام کے زخموں پر نمک چھڑکا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکومت روس کی سالمیت کے لئے زبردست خطرہ بنی ہوئی تھی اور ناجائز اسلحہ اور منشیات کی تجارت میں ملوث ہزاروں مجرموں کی پشت پناہی کرتی تھی اسی لئے ان غیر قانونی حرکتوں پر قابو پانے کے لئے ماسکو نے 4.1 بلین ڈالر خرچ کردیے۔ یلتسن کی اس کج فہمی نے چیچن عوام کے دیرینہ جذبہ حریت کا اندازہ کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ یہ موقف ان دنوں کی یاد تازہ کرتا ہے جب سابق سوویت نظام میں افغان مجاہدین کو ڈاکو اور لٹیرے کا لقب دیا گیا تھا۔

یلتسن: پارلیمنٹ میں معصومیت کا ڈرامہ

یہ وہی یلتسن ہیں جو اکتوبر 1991 میں دودائیف کے چیچن صدر منتخب ہونے کے بعد سے مل جل کر رہ رہے تھے لیکن ان کی اچانک بد حواسی پر عقل حیران ہے۔ انہوں نے پارلیمنٹ اور عوام کسی سے بھی مشورہ کئے بغیر ایسا اہم قدم اٹھا لیا جب کہ یہ کہتے ہوئے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی کہ اب کوئی بڑی جنگ نہیں ہوگی۔ ستمبر 1991 میں یہ اعلان بھی یلتسن نے ہی کیا تھا۔

ڈیموکریسی اور آزادی اختیار کرنے والی روسی ریاست کبھی بھی سلطنت نہیں بنے گی یہاں نہ کوئی چھوٹا ہوگا نہ بڑا بلکہ سب برابر ہوں گے۔ منحوس بغاوت کے بعد خسبولاتوف سے مقابلہ آرائی کے دوران انہوں نے غیر روسی علاقوں کو رائے شماری، خود مختاری اور ٹیکسوں میں راحت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سال انہوں نے روس کی غیر روسی جمہوریتوں کو اپنی بساط بھر اقتدار واختیار لے لینے کی پیش کش کی تھی اور مقامی مالیات کا 60 فیصد حصہ ان علاقوں کے اندر ہی رکھنے کی رضامندی دی تھی۔

1993 کی رائے شماری میں صدر یلتسن کو 16 جمہوریاؤں میں منفی ووٹ ملے۔ چیچنیا، انگشتیا، داغستان، بشکیریا اور چواشیا نے ان کے خلاف ووٹ دیا جب کہ تاتارستان اور بشخورتستان نے اپنے لئے وسیع تر خود مختاری اور مزید ریوینو کا مطالبہ کیا لیکن اب وہی صدر یلتسن تھے کہ دسمبر 94 میں انہوں نے کسی کی بھی علیحدگی پر پابندی لگادی۔

صدر یلتسن اپنی اس خام اندازی میں سرشار ہیں کہ چیچنیا کی فوجی کارروائی ان کی سیاسی ساکھ کو بحال کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی اور یہ کہ اس پر قابو پانا روسی ملٹری طاقت کے سامنے چند گھنٹوں کا کام ہے۔ یہ سوچ کر کہ اس جنگ میں فتح ان کی شہرت ومقبولیت کو چار چاند لگا دے گی وہ اس فیصلہ سے اس قدر مسرور ہوگئے کہ ضروری احکامات صادر کرکے دو ہفتے کی چھٹی منانے چلے گئے لیکن 11 بلین ڈالر کے بجٹ پر چلنے والی چودہ لاکھ کی نفری پر مشتمل بے توجہی اور بے عملی کی حالت میں پڑی ہوئی کبھی طاقتور کہلانے والی فوج کا سارا بھرم کھو گیا

چیچنیا کی جنگ اپنی پوری تباہی کے ساتھ نواحی علاقوں کی طرف پھیل رہی ہے اور پورے کاکیشیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے جہاں کے عوام دلیرانہ بغاوت کے لئے مشہور ہیں۔ اس جنگ نے روسی اقلیتوں کو عموماً اور کاکیشیا، سنٹرل ایشیا اور وولگا کے مسلمانوں کو خاص طور پر چونکا دیا ہے۔

باقی صفحہ ۱۹ پر

کہاں ہیں انسانی حقوق کے علمبردار

کیا انہیں ہم جیسے مظلوموں کی فریاد سنائی نہیں دیتی؟

مدراس سینٹرل جیل سے ایک مظلوم قیدی کا مکتوب

برادران عزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدراس آر ایس ایس ہیڈ کوارٹر میں بم پھٹنے کے حادثے کو لے کر مجھے ٹاڈا میں قید کیا گیا ہے اور میں گذشتہ 16 مہینوں سے جیل کی مشقت جھیل رہا ہوں۔ میرے ساتھ صوبہ تملناڈو کے بارہ معصوم مسلمان بھی قید ہیں۔

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد اب تک 70 ہزار فسادات ہوئے۔ اور اب تک ساڑھے چار لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اتارے جاچکے۔ یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں پارلیامنٹ کی شائع کردہ ایک رپورٹ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اس کی واحد ذمہ دار آر ایس ایس اور اس کا پریوار ہے۔

بابری مسجد ڈھانے کے مقدمے میں ایل کے اڈوانی کو سی بی آئی ملزم نمبر ایک قرار دیتی ہے۔ ان کی وجہ سے ملک بھر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ہزاروں مائیں بیوہ ہوجاتی ہیں اور ہزاروں بچے یتیم۔ سورت میں ہماری ماں بہنوں کو ننگا کیا جاتا ہے ہمارے صبر کا امتحان لیا جاتا ہے لیکن حکومت نے آج تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی نہ ہی ٹاڈا لگایا۔

بال ٹھاکرے اعلان کرتے ہیں میں بمبئی کے فسادات کا واحد ذمہ دار ہوں۔ واہ رے حکومت آج تک ان پر نہ ٹاڈا لگایا نہ این ایس اے۔ بی جے پی کے دور حکومت میں یوپی کی ایک جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے دوران بم پھٹتا ہے کئی سو مسلمان شہید ہوتے ہیں مسجد کے در و دیوار خون سے پٹ جاتے ہیں۔ لیکن واہ رے حکومت اب تک نہ کوئی ملزم گرفتار کیا گیا ہے نہ چھان بین کے لئے سی بی آئی مقرر کی گئی ہے۔

کرناٹک کے کئی شہروں میں مسلمانوں پر کیا گزری کس بے دردی سے انہیں کچلا گیا آپ خوب جانتے ہیں دکن ہیرالڈ میں جب آقائے نامدار دو جہاں کے سردار نبی صلعم کی شان میں گستاخ آمیز مضمون شائع ہوتا ہے تو کئی مسلمان گولیوں کا شکار بن جاتے ہیں۔

بابری مسجد کو مسمار کردینے کے بعد سارے کرناٹک میں فسادات پھوٹ پڑتے ہیں تو پولیس اندھا دھند وحشت و درندگی کا مظاہرہ کرتی ہے اور بہت سے علاقوں میں کرفیو لگادیا جاتا ہے اور غریب بے موت مارے جاتے ہیں بجلی بند کردی جاتی ہے۔ پینے کے لئے پانی بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ جھونپڑیوں میں غریب دانے دانے کو ترستے ہیں حال ہی میں شرپسند عناصر نے اردو کے مسئلہ کو لے کر بنگلور میں اسی طرح فساد مچایا تھا۔ اس وقت آنکھیں بند کرکے پولس فائرنگ کرتی ہے کئی مسلمان نوجوان گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوتے ہیں۔

ہمارے آقائے نامدار دو جہاں کے سردار نبی صلعم پر شرمناک گھناونے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ جن کو لکھتے ہوئے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید کو برسرعام جلانے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں مسجدوں کے سامنے دھرنے دیئے جاتے ہیں ان درندوں نے یہاں مسلمانوں کا جینا حرام کردیا ہے۔ اب تک نہ ان کو گرفتار کیا نہ ٹاڈا لگایا۔

کوئمبٹور جیل میں 16 اور مسلم نوجوان اسی ٹاڈا نامی آہنی شکنجے میں پھانسے گئے ہیں یہ سب کے سب غریب مظلوم معصوم ہیں ان بیچاروں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔

ایک لڑکے کا نام عبدالرحمن ہے صرف سات دن کا دولہا ہے بے چارے کا سہرا بھی سوکھنے نہیں پایا۔ ہاتھ کی مہندی جوں کی توں موجود ہے۔ جن ہاتھوں میں پھول کے گجرے تھے اب ان کی جگہ بے رحم زنجیریں ہیں۔ اس المیہ کی تاب نہ لاکر اس کی ماں کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے بیٹے سے بچھڑنے کا غم ان کی جان لے بیٹھتا ہے ماں کے آخری دیدار کی اجازت بھی یہ ظالم نہیں دیتے ایک اور کوئمبٹور کے جناب حاجی باشاہ صاحب جو ایک نمازی پرہیزگار انسان ہیں پہلے ہی میرے ساتھ ٹاڈا میں قید تھے پھر سے انہیں کوئمبٹور میں بند کردیا گیا ان کا ایک ہی لڑکا وہ بھی 15 سال کا ہے اس پر بھی ٹاڈا لگادیا۔ ان کا بھائی ان کا نسبتی برادر اور ان کا ساڑھو سب کے سب ٹاڈا کے تحت قید کے گئے ہیں۔ سارا خاندان مصیبت جھیل رہا ہے کس کس کا غم سناؤں خون کے آنسو رلانا میرا مقصد نہیں ہے۔ ان لاچار بے بس مایوس غریبوں کی آخر کون مدد کرے گا۔ مگر یہ صبر کے پیکر سب اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنے دن گزار رہے ہیں۔ آخر کب تک مسلمان خاموش رہیں گے۔ آج جو ان کے ساتھ ہورہا ہے وہ ہر کسی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

واہ رے حکومت واہ رے سیکولرزم کے نعرے لگانے والو! یہ انسانیت اور انصاف کا خون نہیں تو کیا ہے کہاں ہیں حقوق انسانی کے علمبردار اور ہمارے ملک کا "اقلیتی کمیشن" اور "ہیومن رائیٹ کمیشن" یہ لوگ کیا کررہے ہیں۔

انصاف پسند اور انسانیت کے علمبرداروں سے ہم پرزور اپیل کرتے ہیں کہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائیے۔ اور ہمیں رہا کراکے انسانی حقوق کو از سر نو زندہ کیجیے۔

مختار احمد

مدراس سنٹرل جیل، مدراس 3

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفاء آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز، 49، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر
نئی دہلی۔110025 سے شائع کیا۔
فون: 6827018

اسلامی انقلاب کا را...

بہت جلد پوری دنیا مسلم انتہ...

غلبہ اسلام کی عالمی تحریک کے خ...

آج تقریبا پوری دنیا میں غلبہ اسلام کی ... لئے مغرب جی توڑ کوشش کر رہا ہے ... پروپیگنڈے کا بھی سہارا لیا جا رہا ہے۔ مغربی ... کی شکل میں پیش کرکے پوری دنیا میں ایک ... زبردست خطرے کی شکل میں پیش کرکے ... جارہی ہے۔ ایک طرف جہاں اسے اسلام کی ... وہیں اسے اسلام کو سمجھنے میں کوتاہی سے بھی ... کی بدگمانی کا اندازہ زیر نظر مضمون سے ہو... معروف ہفت روزہ رسالہ "اکانومسٹ" نے ...

اسلام اپنی سفاک ترین صورت میں خون سے داغدار راستوں سے ہوتا ہوا دنیا کی توجہ کا مرکز بنتا جارہا ہے۔ الجیریائی باغی ہر اس شخص کی گردن اتار لینے پر قادر ہیں جو ان سے اختلاف کی ذرا بھی جرآت کرے۔ ترکی اور پاکستان میں خون کے پیاسے گروہ جابجا گھوم رہے ہیں۔ پاکستان میں تو مرتدین کو قانونی موت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ افغانستان میں نراج کی کیفیت چھائی ہوئی ہے۔ خودکش بمبار جب تک اسرائیلیوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکیں، اللہ کی راہ میں جان دینے کو باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ مصر میں عیسائیوں کو جنگجوؤں سے خطرہ لاحق ہے تو سوڈان میں حکومتی نظام سے۔ آزاد خیال لوگ بھی اسلام پسندی کی آندھی میں اڑنے لگے ہیں۔

واقعات و حوادث کی اس ہولناک ترتیب کو دیکھتے ہوئے دنیا کا چوکنا ہوجانا حق بجانب ہے۔ لیکن مغربی حکومتیں اگر عالم اسلام سے اپنے تعلقات پر ذہانت کے ساتھ غور کریں تو انہیں اپنی اس پریشانی و سراسیمگی کا جواز ڈھونڈھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اسلامی دہشت گردی میں تشدد کی حالیہ لہر کو اپنی نوعیت کے واحد خوفناک اور تخریبی رجحان سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ اسلام پسندی کی تحریک جو ایک بدہیئت اصطلاح ہے لیکن بنیاد پرست اسلام کی متعدد قسموں کے اختصار کے لئے مخصوص ہوگئی ہے۔ قرآن کی طرح اس اصطلاح کی بھی مختلف انداز میں تشریح و تفسیر کی گئی ہے۔ اپنی بہترین شکل میں اسلام بھلائی کی طرف لے جانے والی ایک قوت ہے لیکن اس کے صالح پہلوؤں کو اکثر و بیشتر اس کے قبیح مظاہر داغدار کردیتے ہیں۔

اسلام پسندی کی تحریک سے خارجی دنیا کے روابط دھندلے، گنجلک اور تضاد سے پر ہیں۔ ابھی حال ہی میں امریکی صدر بل کلنٹن نے ایک امریکی تیل کمپنی کو اسلامی جمہوریہ ایران کے سمندری علاقے سے تیل نکالنے کی اجازت نہیں دی حالانکہ امریکہ ایران کے بڑے تجارتی شرکاء میں سے ہے۔ وسیع پیمانے پر دہشت گردی کی منصوبہ بندی کرنے والے کسی بھی اسلام پسند کو پکڑ کر پوچھئے تو یہ منکشف ہوگا کہ افغانستان میں روسی فوجیوں سے لڑنے کے لئے اس کی تربیت سی۔ آئی۔ اے۔ کے افراد کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ فلسطین کی اسلامی تحریک حماس کی پرورش پی ایل او کے حریف کی حیثیت سے اسرائیل نے کی تھی۔ مصر میں بائیں بازو کا مد مقابل پیدا کرنے کے لئے انور سادات نے اپنے مسلمان بھائیوں کو ہی تیار کیا تھا۔

سب سے زیادہ غیر روادار اور متعصب ترین اسلامی حکومت کی مثال کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ حکومت ایسے ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے جہاں عوام بدعنوان حکومت کو بدلنے کے لئے کوئی آواز نہیں بلند کرسکتے، جہاں قزاق صفت مذہبی پولیس عورتوں کو عام لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ جہاں قانون شکنی کرنے والوں کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور جہاں سے بیرونی گاہکوں اور موکلوں کو دہشت گرد لٹریچر اور رقوم کی فراہمی کی جاتی ہے۔ اس ملک کا نام ہے سعودی عرب جو مغرب کا قریبی دوست اور حلیف ہے۔

واضح فکر کا تقاضہ ہے کہ ایک اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ وہ یہ کہ غیر اسلامی دنیا بنیاد پرستی کا جواب دینے سے معذور ہے۔ تشدد کی لہر کا مقابلہ عین سامنے سے نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی کہ کوئی بھی ایسا اقدام جس میں جہاد کی بو آتی ہو کسی مفید نتیجے تک نہیں پہنچائے گا۔ ناٹو کے سربراہ ولی کلاس کی یہ بڑی نادانی تھی کہ انہوں نے شدت پسند اسلام کو مغرب کے لئے سب سے بڑے خطرے سے تعبیر کیا ہے گویا کہ وہ وہیں آگئے جہاں کمیونزم نے انہیں چھوڑا تھا۔ اس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ امریکہ اسلامی انتہا پسندی کو للکارنے اور اس پر فتح پانے میں اپنے دوستوں کی مدد کرسکتا ہے۔

امریکہ مدد تو کرسکتا ہے لیکن بہت معمولی سطح پر۔ ہاں ترکی یوروپی اتحاد سے اپنے تعلقات کو مزید مستحکم کرکے مغرب سے اپنے روابط کے اقتصادی فوائد کی اہمیت واضح کرکے وہاں کے اسلام پسند عناصر کو ہموار کرسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یوروپ جنوبی افریقہ میں کچھ اور بھی کرے۔ لیکن مغرب کو کسی فوجی حل کے حصول کی کوشش کے سلسلے میں غیر معمولی حزم و احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔

اسلام پسندوں سے کم از کم وقتی طور پر نبرد آزما ہوا جاسکتا ہے بشرطیکہ فوری اور سخت اقدام کیا جائے۔ 1982 میں شام کے صدر حافظ الاسد نے "حما" میں اپنے ہزاروں اسلام پسند حریفوں کو قتل کرکے پہلے ہی ... یہ راہ دکھا دی ہے۔ لیکن سیریا میں آج بھی اسلام ...

... پسندوں کی تحریک کی جڑیں زندہ ہیں اور صدر اسد کے رخصت ہونے کی منتظر ہیں۔ اسی طرح لیبیا میں بھی کرنل قذافی کی سیکورٹی فورس نے اسلام پسندوں کی زبان پر پہرے بٹھا رکھے ہیں لیکن کرنل قذافی جیسے ہی اقتدار سے ہٹیں گے تو ان کی آوازوں کو روکا نہ جاسکے گا۔ مذکورہ مثالوں کو پیش کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ ان کی ہمسری کی جائے بلکہ مغرب کو چاہئے کہ اسلامی نظام

> وسیع پیمانے پر دہشت گردی کی منصوبہ بندی کرنے والے کسی بھی اسلام پسند کو پکڑ کر پوچھئے تو یہ منکشف ہوگا کہ افغانستان میں روسی فوجیوں سے لڑنے کے لئے اس کی تربیت سی۔ آئی۔ اے کے افراد کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ فلسطین کی اسلامی تحریک حماس کی پرورش پی ایل او کے حریف کی حیثیت سے اسرائیل نے کی تھی۔ مصر میں بائیں بازو کا مد مقابل پیدا کرنے کے لئے انور سادات نے اپنے مسلمان بھائیوں کو ہی تیار کیا تھا۔

مصر میں لطیفوں کے ذریعہ احتجاج

مصر فراعنہ کے زمانے سے اپنی حس مزاح اور لطیفوں کے لئے مشہور ہے آج کل حسنی مبارک کی اخوان المسلمین اور دوسرے اسلام پسندوں کے خلاف مضحکہ خیز کارروائی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے قاہرہ میں یہ لطیفہ ہر مجلس میں سنایا جاتا ہے۔ لطیفہ کچھ یوں ہے۔

مصر کی ایک جیل کے باہر ایک خوفزدہ "مسلم شدت پسند" تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا جارہا ہے اس کے پیچھے ایک سفید پوش خفیہ پولس والا ہے جس کی موجودگی سے "شدت پسند" واقف ہے۔ یہ بیچارہ ایک شراب خانے میں گھس کر شراب پینے لگتا ہے تاکہ خفیہ پولس والے کو یقین دلاسکے کہ اس نے "اسلامی بنیاد پرستی" سے توبہ کرلی ہے۔

لیکن بیچارہ "شدت پسند" دوسرے دن پھر محسوس کرتا ہے کہ ایک دوسرا جاسوس اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ "عریاں فلمیں" دکھانے والے ایک سینما ہال میں گھس جاتا ہے تاکہ اس کا پیچھا کرنے والا یقین کرے کہ اس نے اپنی "اسلامیت" کا لبادہ اتار پھینکا ہے۔ مگر وہ جاسوس اس کے بعد بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جھلاہٹ میں وہ ایک بس میں سوار ہوکر ایک 80 سالہ بڑھیا کا بٹوا چرالیتا ہے۔ یہ دیکھنے کے بعد خفیہ پولس والا اپنی ڈائری میں یہ الفاظ تحریر کرتا ہے۔ "بالآخر اس مجرم نے روشنی دیکھ ہی لی۔ اب یہ ہماری حکمراں قومی جمہوری پارٹی کا وفادار رکن بن چکا ہے"

یہ لطیفہ اخوان المسلمین کے کسی ممبر نے نہیں کہا جو آج کل حسنی مبارک کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں بلکہ ایرکنڈیشنر کی مرمت کرنے والے ایک مکینک کا ہے۔ دراصل مصر میں حکومت کے خلاف ناراضگی کا اندازہ مصر کے لطائف سے لگایا جاسکتا ہے نہ کہ سڑکوں پر احتجاجی جلوسوں سے جس کی وہاں اجازت نہیں ہے۔

...ستہ نہ روکا گیا تو.....

...ا پسندوں کی غلام بن جائے گی

...لاف "اکانومسٹ" لندن کی ہفوات

...ریک چل رہی ہے اور اس تحریک کو کچلنے کے ... مختلف ہتھکنڈوں کے ساتھ ساتھ گمراہ کن ... میڈیا غلبہ اسلام کی تحریک کو دہشت گرد تحریک ... ہوا کھڑا کررہا ہے۔ اسلام کو مغرب کے لئے ایک ... اسلام مخالف قوتوں کو متحد کرنے کی کوشش کی ... سربلندی کی راہ میں رخنہ اندازی کہا جائے گا ... تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے تعلق سے مغرب ... جائے گا جسے برطانیہ سے شائع ہونے والے ... شائع کیا ہے۔ (ادارہ)

خارجی عناصر نے اپنے دوستوں کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ اگر مجاہدین برسر اقتدار آجاتے ہیں تو منتخب اسلام پسند سیاستدانوں کی حکومت کے زیر سایہ الجزائر کے جمہوریت پسند شہری مستقبل کے کسی متوقع نظام کے مقابلے میں کہیں زیادہ امن وسکون سے رہیں گے۔ آج جیسا کہ اسلام پسندوں کی بیخ کنی کے درپے فوجی حکمرانوں سے گہرے روابط رکھنے والی فرانسیسی حکومت کو یہ احساس ہوچلا ہے، خارجی عناصر کا مفید ترین کردار یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایسے الجزائریوں کی حمایت کریں جو تاخیر کے باوجود اپنے رہنماؤں سے انتشار وبربادی سے بچنے کی خاطر گفت مخالف تحریکوں کو سیاسی نظام میں انضمام کے سیاسی متبادل وشنید کی راہ اختیار کرنے کا اصرار کریں۔

آخر کار مغربی قوتیں الجزائر میں اسلامی اقتدار کی حمایت کرے اگرچہ یہ کام بھی جوکھم سے خالی نہیں ہے

۔ لیکن ان سب میں خطرناک ترین کام یہ ہے کہ کوئی ملک آمد کو روکنے کے لئے شاید ہی کچھ کرپائیں گی۔ انہیں پہلے تو اسلامی انتہاء پسندوں سے مصالحت کی کوشش اپنے اجتماعی شعور کو جمہوریت پسند الجزائری عوام کے کرے اور پھر کچھ سوچ کر اسی چیز کو مٹانے کے درپے لئے اس حکومت کے ممکنہ مفہوم کے خوش کن تصور ہوجائے جسے وہ کبھی برداشت کررہا تھا۔ سے نہیں بہلانا چاہئے۔ اسلام پسند رہنما خواہ وہ الجزائر

اس کی روشن ترین مثال الجزائر ہے۔ اور مصر اس کی اتباع کررہا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ 1992 کے انتخابات میں اسلام پسندوں کی جماعت کو فتح مند ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا الجیریائی لیڈروں کے ہوش اڑگئے تو وہ ان کی تحریکوں کو اکھاڑنے پر کمربستہ ہوگئے۔ لیکن بدعنوان حکومت کے مفاد پرست مقاصد سے عوام کی برگشتگی اسلام پسندوں کے حق میں نعمت ثابت ہوئی۔ نتیجتاً ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور جنگجو گروہ قابو میں نہ آنے کی حد تک چاروں جانب پھیل گئے۔ اور آج یہ ملک ہلاکت خیز خانہ جنگی کی گرفت میں ہے۔

میں اقتدار سے محروم ہوں یا ایران میں برسر اقتدار ہوں، اقتصادی آزادی اور عوام کی خواہش سے جمہوریت سے منہ موڑنے کی حمایت کرنے والے وفاداری کا جذبہ رکھتے ہیں۔ پہلی بات پر یقین کیا

جاسکتا ہے دوسری بات کی ابھی تصدیق نہیں ہوسکی ہے۔ ایران جمہوریت کی ایک محدود شکل کی اجازت دیتا ہے لیکن کوئی باہوش انسان اس معاملہ میں شرط نہیں باندھ سکتا کہ کوئی اسلام پسند نظام حکومت یہ چاہے گی کہ اسے اقتدار سے ہٹا دیا جائے۔

جب تک کوئی اسلام پسند نظام بین الاقوامی طرز عمل کے غیر واضح انداز میں متعین کردہ اصول کو توڑ نہ دے اس وقت تک تو مغرب اس کے تئیں ضرور وہی رویہ رکھے جیسا کہ وہ دیگر غیر موثر حکومتوں کے لئے اختیار کرتا رہا ہے۔ یہاں اسلام پسند نظام کے اصول سے مراد یہ ہے کہ پڑوسی کی آراضی کوئی غصب نہ کرے، دہشت گردی کا فروغ نہ ہو اور خود اپنے ہی عوام کے حقوق پامال نہ کئے جائیں۔ کسی بھی ملک کو خواہ وہ اسلام پسند ہو یا سیکولر۔ برادری سے خارج کرنا ایک مفید حربہ ہے جسے آج کی دنیا میں شاذ ونادر ہی بروئے کار لایا جاتا ہے۔ چین سے تعلقات نبھاتے رہنے کے فیصلہ کی ہی مثال لے لیجئے ہر چند کہ اس نے اپنے مخالفین پر کیا کیا ستم نہیں ڈھائے۔ لیکن مختلف طرح کی سیاسی اور اقتصادی پابندیاں

مخصوص اسباب کی بناء پر مخصوص مقاصد حاصل کرنے کے لئے عائد کی جاتی ہیں۔

سعودی عرب کے علاوہ ایران آج بھی اسلام پسند حکومت کی مکمل مثال بنا ہوا ہے اگرچہ سوڈان بھی اسی کا ہم پلہ ہی ہے۔ مغرب نے کبھی مکمل طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ایران سے کس انداز کا سلوک روا رکھے۔ امریکہ نے گذشتہ دو دہائیوں کے دوران یہ دکھا دیا ہے کہ یہ کام کس طرح نہ کیا جائے۔ رضا شاہ پہلوی سے امریکہ کی گہری دوستی نے اسے شیطان عظیم کی حیثیت سے ایران کی نظروں میں مردود ومعتوب ٹھہرایا لیکن یہ دوستی تخت طاؤس کو بچانے کے لئے زیادہ طاقتور ثابت نہ ہوسکی۔ اس کے بعد امریکہ نے فاصلہ پیدا کرکے اپنا اثر بھی کھویا اور اغوا اور یرغمال کا ڈرامہ رچا کر اپنے وقار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب امریکی تاجر نقصان پورا کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، یہ طریقہ کسی اور ملک مثلاً الجزائر کے لئے نہ دہرایا جائے۔

اسلام پسند لیڈر ان تجارتی سودے کرنے کے خواہاں ہیں لیکن ضروری نہیں کہ مغرب ان کی خواہش کا احترام ہی کرے۔ نیوکلیائی اسلحہ حاصل کرنے کی ایران کی کھلی ہوئی خواہش پر روک لگنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ایسی ٹیکنولوجی پر کڑی نگاہ رکھنی بھی ضروری ہے جنہیں غیر عاقلانہ اور مہلک مقاصد میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایرانی حکومت نے پر تجاج لہجے میں کہا کہ خلیج میں ایک یا دو مختصر ٹکڑوں کے آگے وہ سرحدی توسیع کا آرزومند نہیں ہے۔ تاہم حکومت کو بھی جس کا ایک شہری ایران کی طرف سے سزائے موت کا سامنا کررہا ہے کہ ایسے ہی سخت اقدام کرنا چاہئے۔

کیا کوئی ایسا عام اصول ہے جسے اختیار کیا جائے؟ اسلامی بنیادی پرستی یقیناً کمیونزم کی مانند نہیں ہے

یہ دیکھ کر کہ 1992 کے انتخابات میں اسلام پسندوں کی جماعت کو فتح مند ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا الجیریائی لیڈروں کے ہوش اڑگئے تو وہ ان کی تحریکوں کو اکھاڑنے پر کمربستہ ہوگئے۔ لیکن بدعنوان حکومت کے مفاد پرست مقاصد سے عوام کی برگشتگی اسلام پسندوں کے حق میں نعمت ثابت ہوئی۔ نتیجتاً ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور جنگجو گروہ قابو میں نہ آنے کی حد تک چاروں جانب پھیل گئے۔ اور آج یہ ملک ہلاکت خیز خانہ جنگی کی گرفت میں ہے۔

سر سے پیر تک اسلحوں سے لیس بنیاد پرست ایران کا یہ تصور قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ دہشت گردی کا فروغ ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ارتداد کے جرم میں برطانوی مصنف سلمان رشدی کو قتل کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں سے کی گئی اپنی اپیل کو اس نے آج بھی واپس نہیں لیا ہے، مسٹر کلنٹن ایران میں تجارتی مواقع کے حصول کے لئے امریکی شہریوں کی دوڑ پر پابندی لگانے میں حق بجانب ہیں۔ برطانوی جس کے مقابلے کے لئے جان لڑا دی جائے۔ بلکہ یہ سوشلزم سے زیادہ مشابہ ہے یا ایسی تحریک ہے جس کی مختلف جہتیں ہیں جن میں سے بعض حریت پسند ڈیموکریسی سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں بعض اس سے زیادہ ہی برگشتہ ہیں اور کچھ ایسے پہلو بھی ہیں جو لبرل ڈیموکریسی سے متضاد ہیں۔ اسلام سے نباہ کرنے کے لئے چیزوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت اور ہشیاری وپرکاری دونوں کی ضرورت ہے۔

سب سے زیادہ غیر روادار اور متعصب ترین اسلامی حکومت کی مثال کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ حکومت ایسے ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے جہاں عوام بدعنوان حکومت کو بدلنے کے لئے کوئی آواز نہیں بلند کرسکتے، جہاں قزاق صفت مذہبی پولیس عورتوں کو عام لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ جہاں قانون شکنی کرنے والوں کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور جہاں سے بیرونی گاہکوں اور موکلوں کو دہشت گرد لٹریچر اور رقوم کی فراہمی کی جاتی ہے۔ اس ملک کا نام ہے سعودی عرب جو مغرب کا قریبی دوست اور حلیف ہے۔

کم سن ماؤں سے لے کر نشے کی حالت میں کار چلانے تک سے امریکی معاشرہ چوکنا ہو گیا

کیا امریکہ میں احساس شرم کی واپسی کا دور شروع ہو رہا ہے؟

جیسا کہ بائیبل میں مذکور ہے شرم، احساس، جرم یا بدنامی کے خوف سے پہلے گناہ کا وجود تھا۔ آدم وحوا اپنے خالق کی طرف سے باغ عدن کے ایک مخصوص درخت کا پھل نہ کھانے کی ہدایت پر کاربند نہ رہ سکے اور اپنے آزادانہ اختیار کا استعمال کیا۔ اور جب خدا ان کی تلاش میں نکلا تو روئے زمین پر وہ اولین انسانی جوڑا اس کے سامنے نہیں آیا۔ شرم میں ڈوبے ہوئے آدم نے حوا کو مورد الزام قرار دیا اور حوا نے سانپ کو مجرم گردانا۔ ؟؟؟ میں یہ مفہوم مضمر ہے کہ اس پہلے گناہ کے نقوش ہماری زندگی میں جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں جن کا مظاہرہ خدا سے دوری، فطرت سے دوری اور انسان کی انسان سے دوری کی صورت میں ہو رہا ہے۔

لیکن اس دور میں آدم وحوا جیسی شرم کسے آتی ہے اگرچہ بیشتر افراد کو منہ چھپانے کے تجربے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جرم یا خطا کا تقاضا کچھ اس سے زیادہ کا ہے۔ اور وہ ہے اعتراف گناہ اور اسے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی میں تبدیلی لانا۔ نوے فیصد امریکی باشندوں کو تسلیم ہے کہ وہ خدا میں یقین رکھتے ہیں لیکن موجودہ مذہبی نظام سے ذاتی گناہ کا فوری احساس رخصت ہو چکا ہے۔ زیادہ تر رومن کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک پادری کے سامنے ماہانہ اعتراف کی رسم داستان پارینہ بن چکی ہے۔

1989 کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف چالیس فیصد رومن کیتھولک ایسے ہیں جو دو سال میں صرف ایک بار اعتراف گناہ کی مذہبی رسم میں شریک ہوتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ وہ لوگ چرچ جانے کی پابندی ضرور کرتے ہیں لیکن ایسے سرمن نہیں سننا چاہتے جو ان کی منشا کے خلاف ہو یا ان کے جذبات واحترام مجروح کرے۔ یہی وجہ ہے کہ پادری جنس بازار بن چکے ہیں اور باہمی مسابقت سے نبرد آزما ہیں کیونکہ وہ خریداروں سے الگ رہ کر جی نہیں سکتے۔ لبرل وزراء آج بھی نسل پرستی اور جنسی تعصب جیسی سماجی برائیوں کی مذمت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن خانگی مسائل پر ان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ بنیاد پرست واعظین بھی، اسقاط حمل اور فحش نگاروں اور سماج میں رائج لعنتوں کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اعادہ ضرور کرتے ہیں لیکن ان کا سارا زور بیان خارجی دنیا پر ہی صرف ہوتا ہے۔ خود مقامی افراد وحالات پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا۔ اسی لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ ذاتی گناہ کے شدید احساس کے بغیر کوئی نادم نہیں ہو سکتا اس کے لئے انسانی ضمیر کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے کوئی جسمانی مشق شاید ہی کارگر ہو سکے۔ گناہ کوئی خارجی عارضہ نہیں بلکہ روح کی بیماری ہے اور اس کا ارتکاب دیدہ ودانستہ اور ارادے کے تحت کیا جاتا ہے۔ نیک اعمال کی مانند گناہ بھی بعض عادات سے جنم لیتا ہے جو رفتہ رفتہ طویل عرصے میں انسان کے مزاج میں تشکیل پاتی ہیں اور اسی طرح گناہ پر قابو پانے کے لئے بھی اس سے کہیں زیادہ وقت درکار ہے جتنا کہ اس کی پرورش میں لگا تھا۔ اس نزاکت کو سمجھنے کے لئے غالبا ایک واضح مثال میری لینڈ کے سولہ سالہ لڑکے کی دی جاسکتی ہے جو اپنی 9 سالہ بہن کو جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے جرم میں بچوں کی جیل میں قید ہے اور اب اپنے گھر جانے کے لئے ترس رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے منٹگمری عدالت کے افسران اس کی رہائی کا حکم دیں لڑکے کے لئے اپنے اہل خاندان کو یہ یقین دلانا ضروری ہے کہ وہ اپنے جرم پر شرمندہ ہے۔

اس مقدمہ میں لڑکے کی طرف سے اظہار شرمندگی کا مطلب محض اقبال جرم اور اپنی بہن سے معذرت طلبی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر گھٹنوں کے بل جھکنا بھی ہے۔ اور جھکنے کا یہ طریقہ مجرمین کی نوآبادکاری کے طویل عمل کا صرف ایک حصہ ہے اور اگر لڑکا اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو قانونی افسران اسے گھر نہیں جانے دیں گے اور معاملہ متعلقہ کاونٹی کے حکام کے سپرد کر دیا جائے گا۔
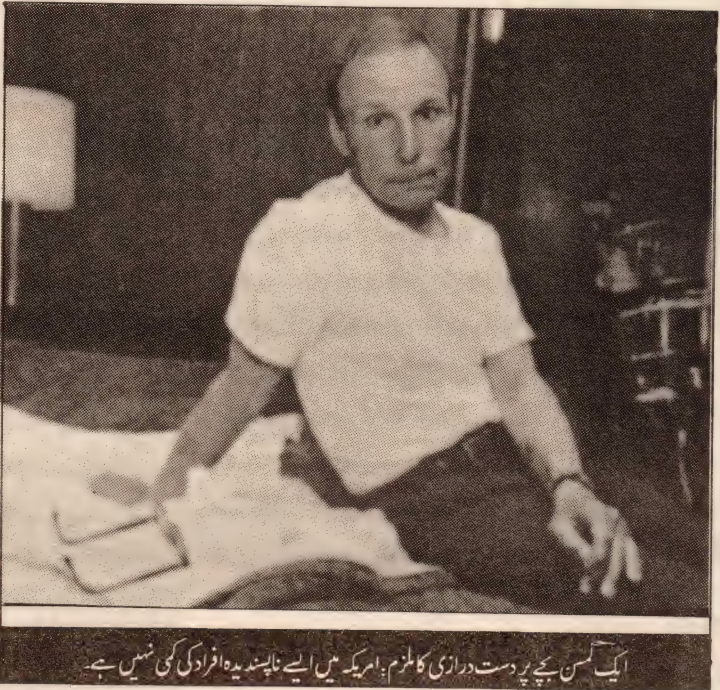
ایک کمسن بچے پر دست درازی کا ملزم: امریکہ میں ایسے ناپسندیدہ افراد کی کمی نہیں ہے۔

اس کے پیچھے یہ تصور کارفرما ہے کہ ایسے مجرموں کو معلوم ہو جائے کہ جس قبیح فعل کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے اس پر ندامت کے اظہار کے لئے جھکنا ضروری ہے۔ اس لازمی ضابطہ کی وضاحت کرتے ہوئے راک ویل کے خانگی معالجے کے انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر نے بتایا کہ اعتراف جرم اور احساس ندامت کے اظہار کے لئے الفاظ ہی کافی نہیں ہیں بلکہ جسم کی حرکات وسکنات کی بھی بڑی اہمیت ہے کیونکہ امریکی اور مغربی معاشرہ میں عصمت دری سے لے کر راستے میں کسی سے ٹکرا جانے تک جرم اور غلطی پر اظہار افسوس اور ندامت کے لئے صرف ایک ہی جملہ ہے "مجھے افسوس ہے" (آئی ایم ساری) نفسیاتی معالجے کی دوسری نشست میں جب اس لڑکے سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم شریف آدمی کی زندگی گزارنا چاہو گے یا عادی مجرم کی تو حیرت زدہ سا نظر آتا ہے اور یہ اندازہ کر لینے پر کہ اس کی آزادی ورہائی کا انحصار معذرت خواہی پر ہے اپنی بہن کی طرف سیدھے دیکھتے ہوئے کہتا ہے "مجھے افسوس ہے سارا" اس کی معافی کا یہ انداز مسترد کر دیا جاتا ہے خاندان والوں کے سمجھانے اور دھمکیوں کے باوجود وہ اپنے کھلنڈرے انداز پر بضد رہتا ہے آخر اسے دوبارہ کچھ عرصے کے لئے جیل میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اگلی نشست میں وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اور رو رو کر واضح اور تفصیلی الفاظ میں معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور گذشتہ نشست میں معذرت نہ کرنے پر بھی اظہار کرتا ہے۔

کاونٹی افسران کے پاس گذشتہ دو سال کے عرصہ میں آنے والے بچوں کے جرم کے 65 معاملات میں سے 97 فیصد ایسے تھے جن کے بارے میں دوبارہ کسی جرم میں ملوث ہونے کی شکایت نہیں ملی۔ گویا کہ بچوں کے ساتھ کئے گئے جرائم کے عادت کی شکل اختیار کرنے کے رجحان کی شرح میں نسبتاً تخفیف ہوئی ہے جو ایک خوش آئند علامت ہے۔

اس کے برعکس بے شرمی کا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آسکتا ہے کہ قتل کا مجرم لڑکا آپ کی طرف اس انداز میں دیکھے گویا پوچھ رہا ہو کہ تم کو کیا پریشانی ہے؟ کیا ہوا اگر میں نے تمہارے بیٹے کو مار ڈالا۔ یہ تجربہ فلے ڈلفیا کی ورجنیا ایرک کو عملا ہو چکا ہے جس کے دس سالہ بیٹے کا قتل ایک سال پہلے ہوا۔ فلے ڈلفیا کی ایک سماجی صلاح کار کا کہنا ہے تین سال کے عرصہ میں جن مقتولین کے 1200 پسماندگان سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں سے صرف دس ایسے تھے جنہوں نے مجرمین کی طرف سے کسی افسوس یا پچھتاوے کا اظہار ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ شرح ایک فیصد سے بھی کم ہے۔

احساس شرم کی واپسی کا تجربہ بعض اہم شعبوں میں ہو رہا ہے مثلاً یہ خیال اب زیادہ ذہنوں کو اپیل کرتا ہے کہ کم سنی میں حمل اور ماں بننے کا تجربہ لڑکیوں کے لئے اخلاقی سطح پر اچھا نہیں ہے۔ اور وبا پر روک لگنی چاہئے۔ اسی طرح آئے دن طلاق کے واقعات کو بھی کم کرنے کی غرض سے عدالتوں سے رجوع کرنے والے جوڑوں کو چار ماہ کا نوٹس دیا جاتا ہے کہ ابھی وہ اپنے فیصلے پر خوب نظر ثانی کر لیں۔ امریکہ کے کئی صوبے ایسے ہیں جہاں خاص قوانین وضع کر کے ان جوڑوں پر طلاق لینے کی پابندی عائد کر دی گئی جن کے یہاں بچے ہو چکے ہوں۔

نشے کی حالت میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے پکڑے جانے کا خوف اور اس سے ہونے والی رسوائی کا بھی اب خیال آنے لگا ہے۔ اسی طرح عصمت فروشی کے اڈوں پر قانون وضابطے کی گرفت تیز تر ہوتی جارہی ہے۔

بچوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنانے والے مجرمین کے تئیں عوامی رد عمل کا ایک منفی پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ مثال کے طور پر ایک 6 سالہ بچے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے شخص نے پولس کی زیادتی سے بچنے کے لئے فرار کی راہ اختیار کی اور کسی قصبے یا نواحی بستی میں جاکر پناہ لے لی۔ پولس بار بار عوام کو خبردار کرتی رہتی ہے کہ فلاں علاقے میں اس طرح کا عادی مجرم روپوش ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس مجرم کو لوگ پکڑ لیتے ہیں تو پولس تک پہنچنے سے پہلے اس کی درگت بنا دیتے ہیں ورنہ مجرم کے دھوکے میں کوئی اور ان کے مشق ستم کا نشانہ بن جاتا ہے۔

یہ اندازہ کر لینے پر کہ اس کی آزادی ورہائی کا انحصار معذرت خواہی پر ہے اپنی بہن کی طرف سیدھے دیکھتے ہوئے کہتا ہے "مجھے افسوس ہے سارا" اس کی معافی کا یہ انداز مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اگلی نشست میں وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اور رو رو کر واضح اور تفصیلی الفاظ میں معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور گذشتہ نشست میں معذرت نہ کرنے پر بھی اظہار کرتا ہے۔

واشنگٹن کے بااقتدار حلقوں میں تخریبی سیاست کا بول بالا

واشنگٹن کے بااقتدار حلقوں میں تخریبی سیاست کا بول بالا ہے جہاں بے بنیاد الزامات اور کردار کشی کے واقعات آئے دن سامنے آتے ہیں۔ گویا کہ یہ باتیں امریکی سیاست کا اٹوٹ حصہ بن چکی ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ پریس کسی بھی بات کو نمک مرچ لگا کر پورا اسکینڈل بنا ڈالتا ہے جس میں لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، سیاسی چپقلش ذاتی عناد میں بھی بدل جاتی ہے۔ خصوصاً 1990 کی دہائی سے امریکی سیاست میں یہ خطرناک موڑ آیا ہے اور اسی لئے کوئی بھی سیاستداں کسی عہدے کے حصول کے لئے تگ ودو کرتے ہوئے اس کے آداب اور خطرات کا پوری طرح اندازہ کر لیتا ہے۔

لیکن مصیبت تو عام شہری کی ہے کہ جب اسے کوئی سرکاری منصب ملتا ہے تو اس تالاب میں زندہ رہنے کے لئے ضروری سیاسی بازی گری کے شعور سے عاری اوسط درجے کا عام شہری خود کو واشنگٹن کی رسوا کن سیاسی دلدل میں بھوکے شارکوں کے سامنے پاتا ہے۔ جارجیا کی شہری تاریخ کی پروفیسر کرسٹینا جیفری کو کچھ ایسے ہی تجربات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

امریکی ہاؤس آف ایپرزنٹیٹو کے نئے اسپیکر نے انہیں ایوان کے مورخ کے منصب کی پیش کش کی تھی جس کے خواہاں ان کی حیثیت کے اکثر لوگ رہتے ہیں۔ اس منصب کے لئے ان کا انتخاب نہایت موزوں ومناسب تھا۔ اس ماہر سیاسیات اور تاریخ داں نے فطری طور پر امریکی سیاست کے کھیل کے مشاہدے اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنے تاثرات قلم بند کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔

تخریبی سیاست کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب سے پہلے تو کانگریس کے ایک ممبر چارلی شمر نے ان پر اپنے پنجے تیز کئے اور ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں ان پر سامیت مخالف ہونے کا الزام لگایا۔ اس کے ثبوت میں شمر نے یہ کہا کہ جیسا کہ امریکی محکمہ تعلیم میں ایک ذریعہ سے یہ راز افشا ہوا ہے کہ 1987 میں ایک موقعہ پر طلباء ہالو کاسٹ سے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کلاس میں نازی نقطہ نظر سے واقف کرانے کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اس

لیکن مصیبت تو عام شہری کی ہے کہ جب اسے کوئی سرکاری منصب ملتا ہے تو اس تالاب میں زندہ رہنے کے لئے ضروری سیاسی بازی گری کے شعور سے عاری اوسط درجے کا عام شہری خود کو واشنگٹن کی رسوا کن سیاسی دلدل میں بھوکے شارکوں کے سامنے پاتا ہے۔ جارجیا کی شہری تاریخ کی پروفیسر کرسٹینا جیفری کو کچھ ایسے ہی تجربات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

باقی صفحہ ۱۳ پر

مہلک ہتھیار۔ ٹینک۔ جہاز اور میزائیل کھلونوں کی مانند بکھرے پڑے ہیں

آئیے ابو ظہبی کی انوکھی نمائش کی سیر کیجیے

حال ہی میں ابو ظہبی میں ایک انوکھی نمائش لگی تھی۔ یہ نمائش تھی دنیا جہان کے ہتھیاروں کی جنہیں دیکھنے اور خریدنے کے لئے کرہ ارض کے ہر گوشے سے لوگ یہاں سمٹ آئے تھے۔ تقریبا ہر اس ملک نے یہاں اپنے ہتھیاروں کی نمائش کے لئے پویلین کا اہتمام کیا تھا جو اس میدان میں ذرا بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اس انوکھے میلے میں صرف تاجر اور خریدار ہی نہیں بلکہ مختلف ملکوں کے جاسوس بھی سرگرم تھے۔

برطانیہ کے اس پویلین میں جس میں اس کی فضائیہ کے مختلف جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کی نمائش کی گئی ہے ایشیا کا ایک ممکن خریدار ایک ہیلی کاپٹر کی تصویر لے رہا ہے اور پاس ہی کھڑا ایک برطانوی اس سے یہ کہہ رہا ہے کہ خلیجی جنگ میں اس ہیلی کاپٹر نے دوسرے کسی بھی جہاز کی بہ نسبت زیادہ بحری جہازوں کی غرق کیا تھا۔

رومانیہ کے پویلین میں ایک عرب شیخ اپنے مشیروں، خادموں اور حاشیہ برداروں کی ایک بڑی فوج کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر کا معانہ کررہا ہے۔ اس طرح کسی دوسرے پویلین میں ایران کے وزیر دفاع روایتی پگڑی باندھے ہوئے ایک ایرانی عالم کے ساتھ مختلف ہتھیاروں کا معائنہ کر رہے ہیں مگر غالبا ایرانی وفد کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ مختلف یوروپی وامریکی حکومتوں نے اپنی کمپنیوں پر ایران کو ہتھیار بیچنے سے قانونا منع کر رکھا ہے۔
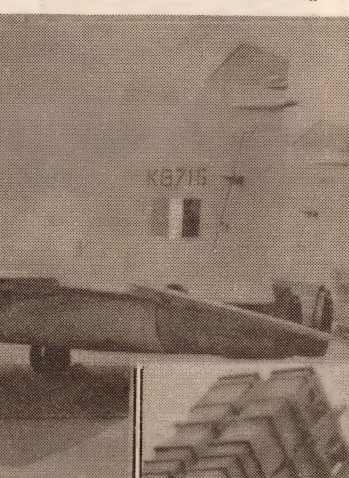
34 ممالک کی تقریبا 600 ہتھیار بنانے والی کمپنیوں نے اس نام نہاد "دفاعی نمائش" میں حصہ لیا۔ یہ سب کوشش میں تھیں کہ عربوں کے ان اربوں ڈالر میں سے اپنا حصہ حاصل کر سکیں۔ جو وہ آئندہ پانچ سالوں میں ہتھیاروں کی خرید پر خرچ کرنے والے ہیں۔ مگر بد قسمتی سے اربوں ڈالر کا ہتھیار خرید کر یہ عرب صرف مغربی کمپنیوں کی مالی مدد کریں گے نہ کہ اپنے دفاع کو مضبوط۔ اپنے دفاع کے لئے یہ پھر بھی امریکہ کے محتاج رہیں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ ممالک خطرناک ترین ہتھیار اسرائیل کے خلاف جہاد کے لئے نہیں بلکہ عرب اور مسلمانوں کا باہم خون بہانے کے لئے خرید رہے تھے۔

فطری طور پر اس نمائش میں تاجروں کے علاوہ، دفاعی امور کے ماہرین اور جاسوسوں کی ایک فوج بھی آئی ہوئی تھی۔ اس پانچ روزہ نمائش کے لئے ہر قابل ذکر ہوٹل کا کمرہ نمائش کے افتتاح سے پہلے ہی مخصوص ہوچکا تھا نمائش کا افتتاح 26 مارچ کو ہوا ان تمام ہی ہوٹلوں کے کمروں میں خطرناک ہتھیاروں کی بات تو پانچ روز تک مسلسل ہوتی ہی رہی۔ اسی کے ساتھ شراب وشباب کی محفلیں بھی سجتی رہیں تاکہ ابو ظہبی کے یہ "معزز مہمان" کسی قسم کی تھکان محسوس نہ کریں۔

جاسوس بھی فطری طور اپنے اپنے ممالک کے لئے مختلف قسم کی معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھے۔ کچھ یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ کون کسے کیا بیچ رہا ہے اور کچھ دوسروں کے سودوں کو سبوتاژ کرنے میں لگے ہوئے تھے تاکہ ان کے ملک یا کمپنی کا ہتھیار بیچا جاسکے۔ اسی طرح بعض دوسرے ممالک کے ہتھیاروں کے فوٹو لینے میں مصروف تھے مثلا روسی پویلین میں ایک سفید فام نے تقریبا ہر ہتھیار کی تصویر کھینچی۔ یہ کام پورے تسلسل کے ساتھ کرنے کے بعد اس نے ایک سیاہ نوٹ بک میں کچھ لکھا جو ظاہر ہے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

روسی مختلف ہتھیاروں کے علاوہ ایک ایسی چیز بھی نمائش گاہ میں لائے تھے جو خاص طور سے صحافیوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ اے کے 47 کا موجد میخائیل ٹی کلاشنکوف۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو افغانستان سے لے کر انگولا تک کروڑوں کی تعداد میں فوجیوں کے علاوہ مختلف حکومتوں کے باغیوں اور حریت کے علمبرداروں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ مسٹر کلاشنکوف ریٹائر ہونے کے بعد معمولی پنشن پر روس ہی میں موجود ہیں اور انہیں اپنی ایجاد اور اس کی مقبولیت پر بڑا فخر ہے۔

یہ نمائش گاہ ابو ظہبی شہر سے ذرا فاصلے پر تھی جہاں مہلک ہتھیار، ٹینک، فائٹر جہاز اور میزائیل وغیرہ ایسے بکھرے پڑے تھے جیسے وہ کھلونے ہوں۔ اگرچہ ماحول میلے جیسا تھا مگر یہ بات طے ہے کہ اس ساری نمائش کا مقصد ایک ایسی تجارت کو فروغ دینا تھا جس کا مقصد صرف خون خرابہ اور قتل کرنا ہے۔

اگرچہ ماحول میلے جیسا تھا مگر یہ بات طے ہے کہ اس ساری نمائش کا مقصد ایک ایسی تجارت کو فروغ دینا تھا جس کا مقصد صرف خون خرابہ اور قتل کرنا ہے۔ مگر موت کے یہ عالمی سوداگر اس گھناونے نام سے پکارے نہیں جاتے۔ بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لوگ کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

مگر موت کے یہ عالمی سوداگر اس گھناونے نام سے پکارے نہیں جاتے۔ بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لوگ کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

"یہ اپنے دوستوں سے ملنے نہیں دہشت پھیلانے آئے تھے"

عراق میں دو امریکیوں کو سرحد پار کرنے کے جرم میں آٹھ سال کی قید

عراق کی ایک عدالت نے دو امریکیوں کو 8 سال قید کی سزا سنائی ہے۔ ان دونوں امریکیوں ڈیوڈ اور ولیم بارلون کو 13 مارچ کو عراق کے سرحدی محافظوں نے سرحد پار کرنے کے جرم میں گرفتار کرلیا تھا۔ 26 مارچ کو ان پر مقدمہ چلایا گیا اور 8 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ یہ فیصلہ ایک رکنی عدالت نے سنایا۔ امریکیوں کو اپنے دفاع کے لئے ایک عراقی وکیل فراہم کیا گیا تھا۔ عراق میں غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ بیس سال کی سزا ہو سکتی ہے۔

امریکہ نے اپنے شہریوں کو معاملے میں نرمی برتنے کی اپیل کی تھی کیونکہ ان کے بقول یہ لوگ غلطی سے اس وقت سرحد پار کر گئے تھے جب وہ سرحد کی نگرانی کرنے والی اقوام متحدہ کی فوج میں شامل اپنے ایک دوست سے ملنے گئے تھے۔ مگر عراق کا کہنا ہے کہ یہ لوگ دہشت پھیلانے کی غرض سے اس کی سرحد میں داخل ہوئے تھے۔

امریکہ نے اپنے شہریوں کو سزا دینے پر عراق کی مذمت کی ہے۔ اسے فکر ہے کہ دونوں امریکیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اسے اس کی فکر نہیں ہے کہ دنیا کی مرضی کے خلاف محض اپنی ہٹ دھرمی کی تسکین کے لئے اس نے عراق کے خلاف جو پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اس سے لاکھوں عراقیوں کی زندگی اجیرن بن کر رہ گئی ہے آخر اس دوہرے معیار کی امریکہ کے پاس توجیہ کیا ہے؟

امریکہ نے اپنے شہریوں کو سزا دینے پر عراق کی مذمت کی ہے۔ اسے فکر ہے کہ دونوں امریکیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اسے اس کی فکر نہیں ہے کہ دنیا کی مرضی کے خلاف محض اپنی ہٹ دھرمی کی تسکین کے لئے اس نے عراق کے خلاف جو پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اس سے لاکھوں عراقیوں کی زندگی اجیرن بن کر رہ گئی ہے آخر اس دوہرے معیار کی امریکہ کے پاس توجیہ کیا ہے؟

مبصرین کا خیال ہے کہ دونوں امریکیوں کے معاملے کو عراق امریکہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کرے گا۔ بظاہر یہ انسانی ہمدردی کے خلاف ایک عمل ہوگا مگر اس کے لئے بغداد قابل مذمت نہیں ہے جس کے معاملے میں امریکہ اور اس کے حلیفوں نے کسی قسم کی ہمدردی روا نہیں رکھی۔

بقیہ واشنگٹن کی سیاست

وقت کی بات ہے جب محکمہ تعلیم کی ایک تجویز پر رائے دیتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا اور طلباء کو پڑھائے جانے والے نصاب کی نوعیت کے پیش نظر ان کی رائے غلط بھی نہیں تھی۔

جیفری کے اس بیان کو قابل دست اندازی قرار دیتے ہوئے ان سے اپنے منصب سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ پریس نے بھی اس معاملہ کو خوب اچھالا اور اسے ہاؤس اسپیکر گنگرک کے ابتدائی ریکارڈ پر بدنما داغ سے تعبیر کیا یہاں تک کہ ان کی رہائش گاہ کے سامنے اخباری نمائندوں کا ہجوم ایک دن تک لگا رہا۔ اور اس دوران گنگرک کے دفتر سے برابر تسلیاں ملتی رہیں کہ پریس والوں سے دفتر نمٹ لے گا اس لئے وہ ان سے کوئی بات نہ کریں۔ اسی حالت میں رات ہوگئی آخر ساڑھے دس بجے ان کی حیرت میں مزید اضافہ کرنے کے لئے ہاؤس اسپیکر کے دفتر سے ٹیلی فون پر اطلاع ملی کہ وہ استعفی دیدیں۔ بعد میں گنگرک نے بھی جیفری سے یہی کہا کہ ان کے بیان کا دفاع ممکن نہیں تھا۔

اس معاملہ کا مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ گنگرک نے خود نئے زمانے کے تاریخ داں ہونے کے باوجود جیفری کی اس دلیل کو رد کردیا کہ اگر کوئی شخص ہالوکاسٹ کے بارے میں طلباء کو پڑھا رہا ہو تو وہ نازی نقطہ نظر کا پس منظر دیئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

گنگرک کے اس طرح پینترا بدلتے ہوئے دیکھ کر جیفری کو یقین ہوگیا کہ اس معاملے میں جو موقف انہوں نے اختیار کیا اس میں ان کے عزت ووقار سے زیادہ اپنے حواریوں کے مفاد کو زیادہ عزیز رکھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جیفری کے بیان سے ایسی کون سی آفت ٹوٹ پڑی کہ شمر اور گنگرک جیسے لوگ ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔ جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تاریخ کے یہودی پروفیسر اپنے طلباء کو نازیت کے بنیادی عناصر کو ذہن نشین رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور واشنگٹن کا ہالوکاسٹ میوزیم نازی نقطہ نظر کی ہی تفسیر ہے۔ امریکی سیاستداں اعلی تعلیم سے آراستہ اور تاریخ کا مطالعہ کیے ہوئے ہوتے ہیں اور اس نکتے سے بخوبی واقف ہیں کہ تاریخ صرف گذشتہ واقعات کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ یہ جاننا بھی ہے کہ ان واقعات کے اسباب کیا تھے۔ لیکن جب سیاسی گتھم گتھا میں وہ ملوث ہوجاتے ہیں تو تہذیب کے عام ضابطے ایک طرف رکھ دیئے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ کانگریسی شمر نے جیفری کے خلاف یہ اقدام اس امید میں کیا کہ آئندہ انتخابات میں اس طرح یہودی حلقے کے بیشتر ووٹ اس کی جھولی میں گرینگے

جیفری کا اعتماد امریکی حکومت پر سے اٹھ چکا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لوگ سچ، انصاف اور امریکی طرز عمل کی بات کرتے ہیں جب کہ مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے سچ، انصاف اور امریکی طرز عمل کا نام دیا جاسکے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بد خواہ سیاستدانوں اور پریس نے تو ان کی ساکھ کو مجروح کیا ہی ایک ایسے شخص نے بھی ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی جو ان کا دوست تھا۔ اسی کے کہنے سے انہوں نے اخباری نامہ نگاروں کا سامنا نہیں کیا ورنہ براہ راست ان سے بات چیت کر کے معاملہ کو طول پکڑنے سے روکا جاسکتا تھا۔

اپنی سادہ لوحی میں وہ جان نہ سکیں کہ واشنگٹن کا سیاسی کھیل کیسے کھیلا جاتا ہے اور جو جانتے تھے انہوں نے ان کی سادہ لوحی سے پورا فائدہ اٹھایا۔

کرکٹ کے سابق شہزادے عمران خان کی نئی پچ

> بے نظیر کے بارے میں وہ کچھ زیادہ نہیں سوچتے کیونکہ بے نظیر ان کے ہمراہ آکسفورڈ میں رہ چکی ہیں۔ نواز شریف کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور ان سے حد درجہ مایوس ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ نواز شریف کے پاس اتنا دماغ ہی نہیں ہے کہ کسی قابل ذکر کام کی ان سے توقع کی جائے۔

پاکستان کے دیگر نوجوانوں کی طرح عمران خان کو بھی نیشنل کرکٹ ہیرو بننے کی آرزو تھی۔ ان جیسے خوش قسمت کم ہی ہوں گے جنہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہو۔ 1992 میں وہ پاکستان کے لئے پہلی بار عالمی کپ جیت کر قومی ٹیم کے کپتان کی حیثیت سے اپنے دس سالہ کیریئر کی بلندی پر پہنچ گئے۔ اور پھر رٹائر ہونے سے چند ماہ قبل روزنامہ پاکستان ٹائمز نے لکھا، پاکستان کو اس بات پر فخر ہے۔ اس کے سیاستدانوں کے قدم ڈگمگا سکتے ہیں لیکن عمران خاں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

آکسفورڈ کا گریجویٹ یہ اسٹار اپنی طفلانہ فنتاسی کی حد سے گزر جانے پر کیا کرتا ہے؟ 42 سالہ عمران خاں نے ایک قومی اور سماجی مصلح کا روپ دھار لیا ہے۔ لیکن ان کے طاقتور حریفوں کا خیال ہے کہ عجب نہیں کہ ان کی نگاہیں اس کے آگے کے کسی نشانے پر لگی ہوئی ہوں۔ بد عنوانی اور تشدد کے بظاہر لامتناہی سلسلے سے بیزار و پریشان ان حریفوں جیسے متعدد پاکستانیوں کی نظر میں "اسپورٹس ہیرو" جمع "مصلح" برابر ہیں۔ قومی محافظ اور خاصی طاقتور سیاسی قوت کے اس طرح کے تصورات کو ذہن میں رکھ کر عمران خان کی تمام تر چلت پھرت ہر گھڑی نگاہ میں رکھی جارہی ہے۔ وہ پرزور الفاظ میں بار بار کہہ رہے ہیں کہ ان کا میدان سیاست میں کودنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تاہم وہ مستقبل میں اس جانب کوئی قدم اٹھانے سے باز بھی نہیں رہیں گے۔ دریں اثناء اپنی امیج کو بین الاقوامی اسٹار اور پلے بوائے سے اصلاح پسند عوامی شخصیت میں بدلنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہورہا ہے۔ کئی سال تک وہ یونیسف کے سفیر برائے اسپورٹس رہے۔ انہوں نے پاکستان اور خود اپنی زندگی پر تین کتابیں تصنیف کی ہیں۔ 1988 سے وہ لاہور میں جدید ترین سہولتوں سے آراستہ ایک کینسر اسپتال کھولنے کے لئے کوشاں ہیں جو ان کی والدہ مرحومہ شوکت خانم کے نام پر قائم ہوگا جن کا انتقال اسی مرض میں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ گذشتہ سال مذکورہ اسپتال کے لئے رقم اکٹھا کرنے کی غرض سے اپنے بارہ روزہ ملک گیر دورے میں چار ملین ڈالر کی رقم جمع کی جس کا زیادہ تر حصہ چھوٹے دوکانداروں اور تاجروں سے حاصل ہوا تھا۔ ایک اور گروہ جس نے اس چندہ مہم میں ان کا ساتھ دیا جماعت اسلامی سے وابستہ حکومت نواز طلباء کا ونگ پاسبان تھا۔ کئی لوگوں کا خیال ہے کہ پاسبان نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے عمران خاں کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ ایک بارسوخ ریٹائرڈ جنرل اور سابق انٹلی جنس چیف حمید گل اور جماعت اسلامی کے سابق ممبر حمید درانی بھی عمران کے حامیوں میں سے ہیں۔ سیاسی مبصرین کا کہنا ہے یہ تینوں حضرات مل کر ان کے حق میں خاصی حد تک فضا ہموار کرسکتے ہیں۔ حمید گل تو فوجی حلقوں کو ہمنوا بنالیں گے۔ رہ گئے حمید درانی تو وہ مذہبی حلقوں میں رائے عامہ کی ہمواری کا کام انجام دیں گے۔ اور اس طرح عمران خاں متوسط درمیانی طبقے کو بھی اپنی طرف متوجہ کرلیں گے۔

ابھی حال ہی میں عمران خاں نے "ایشیا ویک" کے نمائندے کے سامنے اعتراف کیا کہ ان کا تعلق حمید کے بنائے ہوئے ایک حلقہ اثر سے ہے۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاسبان سے ان کی وابستگی کے واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس خیال کو محض قیاس آرائی قرار دیا وہ اور حمید گل خفیہ طور پر سیاسی طاقتوں سے ربط رکھتے ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ ہم دونوں کے مختلف مقاصد ہیں۔ حمید گل کے پاس بین الاقوامی ایجنڈا ہے۔ وہ کشمیر اور امریکہ کی بات کرتے ہیں اور میں صرف سماجی خدمت کی بات کرتا ہوں۔ حمید گل کو اعتراف ہے کہ وہ عمران کو سیاسی میدان میں اترنے کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔ گل نے یہ بھی بتایا کہ "عمران خان ایک آزادی پسند شخص ہیں اور پاکستانی سیاست کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات رکھتے ہیں"۔ تاہم کراچی کے "فادر ٹریسا" اور بزعم خود قومی ہیرو عبدالستار ایدھی لندن فرار ہوگئے۔ بعد میں انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ عمران خان اور حمید گل کے ان کے پاس آنے سے ان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ جناب ایدھی کے مطابق ان دونوں حضرات نے انہیں حکومت الٹنے کے درپے ایک حلقہ میں شمولیت کا مشورہ دیا جو انہوں نے ٹھکرا دیا۔ مختصر سے ہنگامے کے بعد ایدھی کے الزامات دوسرے اختلافات میں دب کر رہ گئے۔ ان میں سے ایک اسکینڈل تو پاکستانی کرکٹ کھلاڑیوں کا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک میچ میں بے قاعدگی سے کھیلنے کے لئے اپنے آسٹریلیائی حریفوں کو رشوت دینے کی کوشش کی تھی۔ اس معاملے کی تحقیقات پر مامور ایک کمیٹی نے عمران سے رائے زنی کی فرمائش کی تو کرکٹ کے اس مفکر نے فتوی صادر کرنے کے انداز میں کہا کہ " اگر کوئی شخص قصوروار پایا جاتا ہے تو اسے ٹیم سے نکال باہر کیا جائے۔ ایسے لوگوں کو ملک کے وقار کو مجروح کرنے کے جرم میں پھانسی دیدی جانی چاہیے"۔

مرحوم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں بھی ان کی رائے بڑی سخت ہے ان کے نزدیک بھٹو پاکستان میں خونریزی کے لئے براہ راست ذمہ دار تھے جس کے لئے تاریخ انہیں معاف نہیں کرے گی۔ جہاں تک بھٹو کی بیٹی بے نظیر کا سوال ہے تو ان کے بارے میں وہ کچھ زیادہ نہیں سوچتے کیونکہ بے نظیر ان کے ہمراہ آکسفورڈ میں رہ چکی ہیں۔ نواز شریف کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور ان سے حد درجہ مایوس ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ نواز شریف کے پاس اتنا دماغ ہی نہیں ہے کہ کسی قابل ذکر کام کی ان سے توقع کی جائے۔

ملی پارلیامنٹ کے خلاف ایک خطرناک سازش ناکام

ہندوستان دھیرے دھیرے فسطائی طاقتوں کے شکنجے میں پھنستا چلا جارہا ہے، یہ طاقتیں جہاں بھی موقع پاتی ہیں پرامن اور محب وطن مسلمانوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس نوعیت کے واقعات اکثر و بیشتر سامنے آتے رہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں ایسا ہی ایک اور قبیح واقعہ منظر عام پر آیا ہے۔ جس میں شرپسند قوتوں کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

واقعہ یوں ہے کہ گذشتہ دنوں تامل ناڈو کے ایک مقامی اخبار نے ایک انتہائی شر انگیز رپورٹ شائع کی جس میں ملی پارلیامنٹ اور مدراس سے اس کے رکن ڈاکٹر کلیم الدین ہزاروی عرف رحمانی بابا نیز آل انڈیا حسینی تنظیم پر انتہائی ہتک آمیز الزامات عائد کئے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ یہ لوگ غیر قانونی، غیر آئینی و ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ڈاکٹر رحمانی بابا نے اس گمراہ کن رپورٹ پر بروقت نوٹس لیا اور عدالت میں اخبار کے ایڈیٹر کے خلاف ہتک عزت کا دعوی دائر کر دیا۔ اس کارروائی سے شرپسندوں میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی اور انہوں نے مصالحت کی پیشکش کی۔ ڈاکٹر رحمانی بابا کی شرط کو تسلیم کرتے ہوئے اخبار کے ایڈیٹر نے مطلوبہ جگہ پر نمایاں انداز میں نہ صرف مذکورہ گمراہ کن خبر کی تردید شائع کی بلکہ اس کے لئے معذرت بھی طلب کی۔ اس طرح رکن ملی پارلیامنٹ بلامقدمہ لڑے ہی جیت گئے۔

فلسطین کی مانند اب مغرب میں بھی یہودی ذہنیت اپنے پیر پھیلانے لگی

مغرب کو صہیونی سازشوں سے ہوشیار رہنا چاہئے

> اسلام رحمت اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ یہ دوسروں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنا تشخص برقرار رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی اتباع کرسکیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو مغرب کو دنیائے اسلام سے قریب کر سکتی ہے مگر یہودیوں کو یہ چیز پسند نہیں ہے۔ مغرب کو ان صہیونی سازشوں سے خبردار رہنا چاہیے جن کا مقصد مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنا اور خود کو اس الزام سے بری کرنا ہے۔

اب یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے کہ امریکہ میں جاری حالیہ دہشت گردی مہم صرف مسلم جماعتوں کے خلاف ہے۔ اس نکتہ کو اسلامک کونسل آف امریکہ کے صدر عبدالرحمن العمودی نے بخوبی واضح کردیا ہے۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ "امریکہ کی یہودی جماعتوں نے جو کبھی شہری حقوق کے لئے اپنی حمایت کی وجہ سے مشہور تھیں، خصوصا اس وقت جب وہ امریکہ میں نسلی تشدد اور مذہبی جنون سے پیدا شدہ مسائل سے دوچار تھیں، اب اپنے ان اصولوں کو ترک کردیا ہے کیوں کہ ان کے نقطہ نظر سے ان کا اپنا اور اسرائیل کا مفاد اب اسی میں ہے"

امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں یہودیوں کو بعض خصوصی حقوق حاصل ہیں۔ مغرب کی سیاسی پارٹیوں میں موجود یہودی لابیاں ہمیشہ اس بات کے لئے سرگرم رہتی ہیں کہ کوئی ایسا قانون نہ پاس ہونے پائے جس سے ان کے خصوصی حقوق اور مراعات پر حرف آئے۔ دراصل اکثر اوقات تو ایسی کسی سرگرمی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ یہودیوں کو حاصل خصوصی مراعات کے خلاف کسی گوشے سے کوئی آواز اٹھتی ہی نہیں۔ خاص طور سے 1980 کی دہائی میں یہودیوں کو اپنے مخصوص حقوق کے تحفظ کے لئے کسی جد وجہد کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک یہودی تنظیم کے ایک عہدیدار نے ایک بار یہ برملا اعلان کیا تھا کہ امریکہ میں اس وقت کسی یہودی لابی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امریکی صدر رونالڈ ریگن یہودیوں کے معاملات میں خود ان سے بھی زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ریگن کی یہودی نوازی میں اس وقت بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی جب امریکی جاسوسی اداروں نے یہ انکشاف کیا کہ متعدد یہودی خود امریکہ کے خلاف جاسوسی سرگرمیوں میں ملوث رہے ہیں۔ یہ جاسوسی وہ اسرائیل کے لئے کررہے تھے۔

ہر چیز کے بارے میں شک کرنا یہودیوں کی فطرت ہے۔ یہودیوں کا یہ طرز فکر کسی دوست یا حلیف کو نہیں پہچانتا چاہے وہ دوست اپنی دوستی کا کتنا ہی اعلان کرے یا وہ دوسروں کو اس دوستی اور اتحاد کے فوائد کے بارے میں کتنا ہی یقین دلائے۔ یہودی بہرحال اس پر شک کرے گا۔ ہر زمانے میں تشکیک اور مفاد پرستی ان کی خاصیت رہی ہے۔

یہودی چونکہ خود کو خدا کا محبوب تصور کرتے ہیں اس لئے وہ دوسروں سے ذرا الگ تھلگ رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی اس ذہنیت کا حالیہ اظہار اس وقت ہوا جب ابھی برطانیہ میں انہوں نے اپنے لئے ایک بالکل علیحدہ علاقے کا مطالبہ کیا جہاں وہ اپنی رسومات اور عبادات ادا کرسکیں۔ اگرچہ برطانوی عوام کو اس سے بڑا دھچکا لگا مگر حکومت نے پھر بھی یہودیوں کا مطالبہ مان لیا۔ مگر اس واقعہ سے یہ بات ضرور واضح ہوگئی کہ یہودی دماغ ہمیشہ تشکیک میں مبتلا رہتا ہے۔ شک کی یہود ذہنیت ان اسباب میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے ماضی میں مغرب کے عوام یہودیوں کے مخالف رہے ہیں۔

بلاشبہ کسی بھی مغربی ملک کو اپنے عوام کے تحفظ کے لئے کوئی بھی قانون بنانے کا حق ہے۔ مگر قوانین ایک سماج میں رہنے والے سارے لوگوں کے لئے یکساں ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر ان قوانین کو بنانے میں یہودیوں کا ہاتھ ہو اور ان کا خاص نشانہ صرف مسلمان ہوں تو پھر اسے یہودی صہیونی گروپ مسلم اور مغربی دنیا کے درمیان خلیج کو مزید وسیع کرنے کے لئے لازمی طور پر استعمال کریں گے۔

ابھی حال میں دہشت گردی مخالف قوانین پاس کرکے امریکہ نے گویا یہودیوں کے دباؤ کو قبول کرلیا ہے اور انہیں مسلمانوں اور امریکہ کے مابین ایک خلیج پیدا کرنے کا موقع دے دیا ہے اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں جب کہ دنیا کے مختلف عوام کے درمیان مساوات کی بنیاد پر تعاون کی بات بڑے زور وشور سے کہی جارہی ہے۔

اسلام رحمت اور امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ یہ دوسروں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنا تشخص برقرار رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی اتباع کرسکیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو مغرب کو دنیائے اسلام سے قریب کر سکتی ہے مگر یہودیوں کو یہ چیز پسند نہیں ہے۔ مغرب کو ان صہیونی سازشوں سے خبردار رہنا چاہیے جن کا مقصد مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنا اور خود کو اس الزام سے بری کرنا ہے۔

گجرات اور مہاراشٹر میں زبردست کامیابی حاصل کرنے کے باوجود

دہلی کا اقتدار بی جے پی کے لئے اب بھی خواب بنا ہوا ہے

بی جے پی نے مہاراشٹر اور گجرات کے اسمبلی انتخابات میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن ایک ایسی پارٹی کے لئے جسے آئندہ سال ہونے والے عام انتخابات میں مرکز میں اقتدار حاصل ہونے کے امکانات ہوں، یہ کامیابی وقت اور حالات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ 1993 کے اسمبلی انتخابات میں جنوب میں بی جے پی کی شکست نے یہ اشاریہ دیدیا تھا کہ پارٹی کی خود اعتمادی زوال پذیر ہے۔ لیکن ان انتخابی نتائج نے پارٹی قیادت کے منہ کا ذائقہ نہ صرف بدل دیا بلکہ اس میں مٹھاس پیدا کردی۔ اپنے آپ کو ہندوتو کے ایسے رتھ کے سوار کے طور پر پیش کرنے کے بعد جو کہیں رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، رام جنم بھومی پلیٹ فارم کے انہدام نے بی جے پی کو سکتے کی کیفیت میں مبتلا کردیا تھا۔ اجودھیا کارڈ بی جے پی کے لئے ایک قابل رشک کارڈ تھا لیکن اس کے بعد وہ اس کارڈ کو دوبارہ موثر انداز میں استعمال کرنے کی غیر یقینی پوزیشن میں لوٹ آئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انتخابی کامیابی کے حصول کے لئے نئے فارمولے کی اختراع میں بھی خود کو ناکام تصور کرتی ہے۔

اگر ایک طرف آندھرا پردیش اور کرناٹک میں کانگریس کی ناکامی نے بی جے پی کو خوشیاں بانٹ دی تھیں تو دوسری طرف وہ کچھ خوف وہراس میں بھی مبتلا ہوگئی تھی، ان دونوں ریاستوں میں نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ کی واپسی نے قومی سیاست میں ان کے احیاء کے امکانات کو روشن کردیا تھا۔ بی جے پی کے لئے اس کا صرف ایک ہی مطلب تھا کہ وہ کانگریس کا قومی متبادل بننے سے پیچھے ہٹ جائے۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ حالیہ انتخابی نتائج نے بی جے پی قیادت کو دوہری راحت پہنچائی ہے۔ مہاراشٹر اور گجرات میں کانگریس کی حکومت کے خاتمے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مضبوط ریاستوں میں بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔ اور ادھر جنتادل کی شکست نے اس کی تصدیق کردی کہ کرناٹک میں اس کی کامیابی علاقائی جھلک تھی اور اس سے بی جے پی کے مرکز میں کانگریس کا متبادل بننے کے امکانات کو کسی بھی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

تاہم دوبارہ خود اعتمادی کی واپسی اور مرکز پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بھرپور مہم کے آغاز کے تعلق سے بی جے پی لیڈر یہ محسوس کررہے ہیں کہ دست و دہن کے درمیان بہت ساری رکاوٹیں موجود ہیں۔ حالانکہ بی جے پی کے نظریہ ساز باآواز بلند اور یقینی انداز میں یہ پیش گوئی کررہے ہیں کہ آئندہ جنرل الیکشن میں انہیں کامیابی حاصل ہوگی لیکن انتخابی نتائج کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ صورتحال مبہم اور گنجلک ہے۔ درحقیقت گجرات اور مہاراشٹر میں بی جے پی کی اخلاقی قوت کی واپسی کے باوجود یہ یقین کرنے کی کوئی بڑی وجہ نہیں ہے کہ آئندہ پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی اپنے ممبران کی موجودہ تعداد جو کہ حکومت سازی کے لئے ضروری اکثریت کے نصف سے بھی کم ہے، کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

دراصل عام انتخابات میں بمشکل ایک سال کا وقت رہ گیا ہے اور بی جے پی کو اقتدار میں آنے کے لئے صرف دو راستے ہیں، یا تو پارٹی قیادت قومی رائے دہندگان کو اپنی جانب مائل کرنے اور عوامی لہر پیدا کرنے کے لئے کسی نئے ڈرامائی نعرے کی اختراع کرے یا پھر معلق (ہنگ) پارلیمنٹ کے وجود میں آنے کے بعد چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے ممبران کی حمایت حاصل کرنے کی نسبتاً کمتر راہ اختیار کرے۔ بد قسمتی سے بی جے پی کو اقتدار میں لانے والے یہ دونوں راستے مسائل سے پر ہیں، مثال کے طور پر پارٹی قیادت کسی نئے نعرے کی اختراع کے سوال پر ششوپنج میں مبتلا ہے۔ کیونکہ مندر اور سودیشی کے دو ایشو پہلے سے موجود ہیں اور ان دونوں کو استعمال کرنے پر بی جے پی قیادت گومگو کی کیفیت میں پھنسی ہوئی ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ دونوں ایشوز بی جے پی کے اپنے نہیں ہیں بلکہ اس کی سسٹر آرگنائزیشنز یعنی وشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس نے اس پر تھوپ رکھے ہیں، ادھر دوسری طرف اڈوانی اور واجپئی کا خیال ہے کہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دوسری سیاسی زمین تلاش کریں لیکن ان کے لئے مشکل یہ ہے کہ نہ تو وشو ہندو پریشد کے سادھو سنت اجودھیا متھرا اور کاشی کے معاملے پر اپنے ضدی رویے کو ترک کرنے کو تیار ہیں اور نہ ہی آر ایس ایس اپنے سودیشی ایشو کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ جب کہ بی جے پی گجرات اور مہاراشٹر جیسی ریاستوں میں جو کہ صنعتی مراکز ہیں، اپنی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے۔

بی جے پی کے لئے جو کہ مرکز میں کانگریس کا متبادل سیاسی قوت بننے کے واضح امکانات دیکھ رہی ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی ایجنڈوں کی بذات خود انچارج نہیں ہے اور ایسا صرف بی جے پی کے ساتھ ہی ہے۔ حالانکہ تنظیمی حد تک بی جے پی قیادت کو تھوڑی بہت خود مختاری حاصل ہے لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وشو ہندو پریشد یا آر ایس ایس اپنے نظریاتی معاملات پر کسی قسم کی سودے بازی کی اجازت دیں گے۔ جہاں تک قومی رائے دہندگان کے لئے کسی نئے نعرے کی اختراع کا سوال ہے تو سنگھ پریوار شاید اس میں فعال شرکت نہ کرے اور ممکن ہے کہ اس کا آشیرواد بھی بی جے پی کو حاصل نہ ہوسکے۔ بی جے پی کی گردن میں اسی قسم کے نظریاتی طوق لٹکے ہوئے ہیں جو چھوٹی سیاسی پارٹیوں کے ممبران کی حمایت سے مرکز میں حکومت سازی کے اس کے امکانات کو معدوم اور سبوتاژ کررہے ہیں، ادھر بی جے پی نے فرقہ واریت کی بنیاد پر اپنی جو امیج بنائی ہے بالخصوص رام جنم بھومی معاملے پر تو اس کے پیش نظر حزب اختلاف کی پارٹیوں سے سابقہ سودے بازیوں کی مانند کسی بھی قسم کی نئی سیاسی سودے بازی اس کے لئے تقریباً ناممکن ہوگئی ہے۔ اس لئے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ اگلے جنرل الیکشن میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ مرکز میں اپنی حکومت نہ بنا سکے کیونکہ شیوسینا جیسی فرقہ پرست جماعت کے علاوہ شاید کوئی اور پارٹی اس کی حمایت نہ کرے۔

بی جے پی نے فرقہ واریت کی بنیاد پر اپنی جو امیج بنائی ہے بالخصوص رام جنم بھومی معاملے پر تو اس کے پیش نظر حزب اختلاف کی پارٹیوں سے سابقہ سودے بازیوں کی مانند کسی بھی قسم کی نئی سیاسی سودے بازی اس کے لئے تقریباً ناممکن ہوگئی ہے۔ اس لئے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ اگلے جنرل الیکشن میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ مرکز میں اپنی حکومت نہ بنا سکے کیونکہ شیوسینا جیسی فرقہ پرست جماعت کے علاوہ شاید کوئی اور پارٹی اس کی حمایت نہ کرے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مہاراشٹر میں بی جے پی اور شیوسینا کی مشترکہ حکومت کے قیام کے بعد جنرل الیکشن میں دونوں کے اتحاد کی وہ شکل وصورت نہیں ہوگی جو مہاراشٹر میں تھی۔ کیونکہ بی جے پی مہاراشٹر میں ایک موثر حکومت دینے کی جو بھی کوشش کرے گی اسے بال ٹھاکرے کا ریموٹ کنٹرول ناکام بنا دے گا۔ ایسی صورت میں جب کہ شرد پوار جیسا ماہر سیاستداں تاک میں بیٹھا ہو، مشترکہ حکومت میں چپقلش سے اس کے استحکام کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اور اگر بی جے پی نے تکلفات میں آکر شیوسینا کے ٹکراؤ کی راہ اختیار کرلی تو اس کے لئے قومی سیاست کی مین اسٹریم سے الگ تھلگ پڑجانے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔

ریاستی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد عام انتخابات میں کامیابی بی جے پی قیادت کو مشکوک نظر آرہی ہے۔ اگر مہاراشٹر اور گجرات میں انہیں کامیابی نہیں ملتی تو وہ انتخابی حکمت عملی ترتیب دینے میں آزاد ہوتے۔ لیکن اب ان کے لئے ایسا کرنا ناممکن نظر آرہا ہے۔ ایسی صورتحال میں نرسمہا راؤ کی زیر قیادت کانگریس ممکن ہے کہ کوئی خطرناک قدم اٹھانے کے بجائے تن بہ تقدیر ہوکر الیکشن لڑے جب کہ اس کے برعکس بی جے پی حالیہ کامیابیوں کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت سے زیادہ تیزی کا مظاہرہ کرے گی۔ اس لئے آئندہ جنرل الیکشن میں کانگریس اور بی جے پی میں کچھوے اور خرگوش کے مقابلے والی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

کیا یہ قافلہ پارلیمنٹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

ہبلی اور بالاسور کے فسادات پولس کی نااہلی کا نتیجہ

گذشتہ یوم جمہوریہ کے موقع پر کرناٹک کے حساس شہر ہبلی میں فرقہ وارانہ فساد برپا کرنے میں ناکام عناصر بالآخر ہولی کے موقع پر کامیاب ہوگئے۔ وہ دن شرپسند عناصر کے لئے سہرا دن تھا۔ ایک تو جمعہ دوسرے ہولی۔ مسلمانوں پر رنگ ڈالنے کے بہانے فرقہ وارانہ تشدد بھڑکا دیا گیا جو تادم تحریر جاری ہے اور اخباری اطلاعات کے مطابق اب تک پانچ افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوچکے ہیں۔ پولس انتظامیہ کرفیو نافذ کرنے کے باوجود حالات کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہے۔ چاقوزنی کی وارداتیں مسلسل ہورہی ہیں اور تقریباً روزانہ پرتشدد واقعات اخبارات کی زینت بن رہے ہیں

ادھر اڑیسہ میں انتخابی مہم کے دوران کانگریس نے عوام کو صاف ستھری حکومت اور امن وامان کی بہتری کا یقین دلایا تھا نیز 1980 سے 1989 تک کی اپنی حکومت کے دوران فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی مثال پیش کی تھی اور کہا تھا کہ اس دوران چونکہ ہم نے فسادات سے پاک حکومت لوگوں کو دی تھی اس لئے ہمیں ووٹ دیکر ایک بار پھر کامیاب بنایئے۔ لیکن زبر سر اقتدار آتے ہی کانگریسی وزیر اعلیٰ جے بی پٹنائک کے سر پر اولے پڑنے لگے۔

جہاں تک ہبلی کا معاملہ ہے تو وہ بہت پہلے سے فرقہ پرستوں کے نشانے پر ہے۔ بی جے پی کے شرپسند موقع کی تاک میں تھے، ہولی چونکہ جمعہ کو پڑ رہی تھی اس لئے انہوں نے اس موقع کو اشتعال انگیزی اور تشدد برپا کرنے کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک منظم سازش کے تحت نمازیوں پر رنگ ڈالے گئے اور اس واقعہ کو طول دیکر شہر میں فرقہ وارانہ منافرت کا زہر گھول دیا گیا، جس کا خمیازہ عوام تادم تحریر بھگت رہے ہیں۔

ادھر بالاسور میں ایک فقیر صالح محمد بابا کے عرس کو بنیاد بنا کر فرقہ وارانہ تشدد بھڑکا یا گیا۔ اطلاعات کے مطابق یہ قصبہ فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے انتہائی پر امن رہا ہے اور یہاں کے بڑے بوڑھے بھی کسی ہندو مسلم فساد کا کوئی واقعہ بتانے سے قاصر ہیں۔ یہاں ہر سال 29 مارچ سے صالح بابا کا عرس لگتا ہے جس میں ہندو مسلم سبھی شریک ہوتے ہیں۔ چونکہ عرس کی تاریخ قریب تھی اس لئے اس کے پوسٹرس گھروں کی دیواروں اور دوسرے مقامات پر لگے ہوئے تھے۔ دریں اثنا چند بچوں میں معمولی سی لڑائی ہوگئی۔ بد قسمتی سے یہ بچے دو فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد کچھ لوگوں نے ان مکانوں کو بھی نشانہ بنایا جہاں عرس کے پوسٹر چسپاں تھے۔

یہ محلہ پھول بازار کا واقعہ ہے۔ رات میں پولیس افسران جب جائے واقع پر پہنچتے ہیں تو دونوں فرقوں کے تقریباً دوسو افراد کو گالی گلوج اور پتھر بازی میں مشغول پاتے ہیں۔ یہ تصادم صبح چار بجے تک چلتا رہا پولیس خاموش تماشہ دیکھتی رہی۔ اس تصادم میں مکانات نذر آتش کئے گئے اور لوگوں کو بری طرح زدوکوب بھی کیا گیا۔ بعد میں دو افراد کی لاشیں پائی گئیں جنہیں عبدل شاہ اور شیخ انوار کی حیثیت سے پہچانا گیا۔ سردست پولیس انتظامیہ نے صورتحال کو قابو میں کرلیا ہے لیکن اگر اس نے شروع سے ہی سختی برتی ہوتی تو شاید یہ بدترین شکل سامنے نہ آتی۔

مناسب رشتے

لڑکے

1۔ سعودی عرب میں ملازم 46 سالہ شخص (قد 5 فٹ 9 انچ) کے لئے جس کی آمدنی دوہزار ریال ماہانہ ہے اور عقد ثانی کا خواہاں ہے مناسب رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات رابطہ قائم کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 115A

2۔ دہلی میں مقیم مغربی یوپی کے دیندار 43 سالہ شخص کو جس کی پہلی بیوی سے بارہ سال کی ایک بچی ہے معقول رشتہ درکار ہے۔ دیگر تفصیلات رابطہ قائم کرنے پر فراہم کی جائیں گی۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 116A

3۔ مغربی یوپی کے سنی مسلم شیخ صدیقی سرکاری جونیر ہائی اسکول میں ٹیچر 38 سالہ شخص (قد 5 فٹ 9 انچ) کے لئے جن کی تعلیمی صلاحیت ڈبل ایم اے، ایل ایل بی، بی ٹی سی ہے اور ماہانہ آمدنی چار ہزار روپئے ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 117A

4۔ سعودی عرب میں اپنے والد کے ساتھ اکسپورٹ امپورٹ کی تجارت سے وابستہ 25 سالہ بی کام نوجوان (قد 6 فٹ 5 انچ) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ بشرط واپسی لڑکی کی حالیہ ترین فوٹو اور دیگر تفصیلات فراہم کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 118A

5۔ کرناٹک کے بی۔ ای (سول انجینرنگ) یو۔ اے ای میں ملازم 29 سالہ نوجوان (قد 5 فٹ 8 انچ) کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ شادی جلد کرنی ہے۔ خواہش مند حضرات بشرط واپسی لڑکی کی تصویر اور دیگر تفصیلات روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 119A

6۔ دلی میں جونیر انجینیر کی حیثیت سے ملازم بی۔ ای سول انجینئر ڈگری یافتہ نوجوان کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیلات کے ساتھ رجوع فرمائیں۔ بہار کے ایک ہائی اسکول میں معلم عقد ثانی کے خواہش مند شخص کے لئے جن کی ماہانہ آمدنی پانچ ہزار روپے ہے موزوں رشتہ درکار ہے۔ دلی کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 120A

7۔ 28 سالہ حافظ قرآن اور سماجی کاموں میں دلچسپی رکھنے والے شخص کے لئے جن کی ماہانہ آمدنی تین ہزار روپئے ہے موزوں رشتہ درکار ہے۔ دیگر تفصیلات خط وکتابت کے ذریعہ فراہم کی جاسکتی ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 121A

8۔ سعودی عرب میں کیشیئر کی حیثیت سے ملازم ہندوستانی پچیس ہزار روپیہ ماہوار آمدنی والے حیدر آبادی 26 سالہ نوجوان کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ شادی جلد کرنی ہے۔ لڑکے پر گھریلو ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ شادی کرکے بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ خواہش مند حضرات فورا بشرط واپسی تصویر اور دیگر تفصیلات روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 122A

9۔ ریلوے میں علماء ومشائخ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے معقول ملازمت پر فائز پانچ ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی والے عقد ثانی کے خواہش مند شخص کے لئے مناسب رشتے کی تلاش ہے رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 123A

10۔ سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے تیس سالہ صحت مند دیندار شخص (تعلیم ایم اے انگریزی مع اسٹینو گرافی اور کمپیوٹر کی ڈگریاں) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔۔ جہیز وغیرہ کا کوئی مطالبہ نہیں۔ صرف لڑکے کو خلیج کے کسی ملک میں ملازمت دلادی جائے۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 124

لڑکیاں

11۔ مدہ میں مقیم بی اے سکنڈ ایئر کی طالبہ مشرقی یوپی کے معزز اور تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھنے والی خوبصورت سلیقہ مند مہذب اور دین دار لڑکی کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے بھائی سترہ سال سے جدہ میں امپورٹ اکسپورٹ بزنس کرتے ہیں اور بمبئی میں ان کا اکسپورٹ آفس ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر A 125

12۔ قبول صورت دراز قد پابند صوم وصلوہ ماہر امور خانہ داری بی یو ایم ایس تعلیم یافتہ اور یوپی گورنمنٹ کے پی ایچ سی میں پارٹ ٹائم میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے ملازم لڑکی کے لئے جس کے مستقل ہونے کی عنقریب قوی امید ہے مناسب رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 126A

13۔ تاجر پیشہ خاندان کی خوبصورت کھلی رنگت دراز قد بی اے تعلیم یافتہ 25 سالہ دیندار مہذب اور سلیقہ مند لڑکی کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے دو بھائی سعودی عرب میں بسلسلہ تجارت مقیم ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 127A

14۔22 سالہ سند یافتہ عالمی (مساوی بی۔ اے) اور درس وتدریس کا تین سالہ تجربہ رکھنے والی سنی سید گھرانے کی قبول صورت لڑکی کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ ریاستی یا مرکزی حکومت میں ملازم لڑکوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 128A

خلیج جائیے

EMPLOYMENT OPPORTUNITY

A factory specialized in the manufacturing of high quality household consumer goods located in Jeddah requires:

Experienced Marketing Manager

with the following qualifications and experience:

- University Degree preferably with major in Marketing or Business Administration.
- At least 10 years experience of which 3 years in an executive marketing position with track record in marketing of household consumer goods.
- Computer literate, fluent in English and Arabic.

Selected candidate shall be tasked to handle the general marketing requirements of the company products & services primarily in the follow-up of prospective customers, projects, contracts and engagements. He will also be required to provide up-to-date market information and marketing reports to the management and coordinate in the execution of marketing & sales promotion.

Compensation package will depend on experience quality and track record.

Apply in strict confidentiality; send your C.V. now to the following Address:

P. O. Box: 33543 Jeddah - 21458
Fax : 00966 2 662 2309

DESIGN & DEVELOPMENT PERSONNEL WANTED FOR A PIONEER FURNITURE INDUSTRY

1. Candidates should have proven record of creating new designs of furniture especially Bedrooms, Kitchens, Household and Office furniture.
2. Should have knowledge in developing prototypes in target time.
3. Experience of at least 5 years in a furniture factory using MDF, Solid wood, chipboard, etc.
4. Knowledge in CAD would be an added advantage.

We are looking for energetic and hardworking individuals for whom attractive salary and career prospects will be offered.

Please send your resume giving full career details, contact telephone number and present salary drawn to:

The General Manager
P.O. Box 26700, Bahrain
Fax: 00973 830399

A NEW MEDICAL COMPLEX IN AL-KHOBAR
JOB OPPORTUNITY

- DENTIST / DENTAL HYGIENIST (FEMALE)
- NURSES (FEMALE)
- X-RAY & ULTRA-SOUND TECH. (FEMALE)
- RECEPTION / SECRETARY
- COMPUTER OPERATOR
- LAB. TECHNICIANS

Interested applicants please send your C.V's to:
P.O. Box 40225, Al-Khobar 31952, or Fax: 898 3348

JOB OPPORTUNITY

A leading National Co. needs to fill the following vacant positions :

• FINANCIAL MANAGER • FINANCIAL SUPERVISOR
• ACCOUNTANT • CAR MECHANIC ENGINEER
• COMPUTER PROGRAMMER
• SPARE PARTS SALESMEN • DIESEL MECHANIC
• CAR BODY REPAIRER • CAR PAINTER
• CAR ELECTRICIAN • DIESEL PUMP TECHNICIAN

Competent applicants should send C.V.s with certificates to :
P.O.Box 3694 Riyadh 11481
Tel. 4460000 Att. MR ABDUL AZIZ

JOB OPPORTUNITIES

A Dispensary at Jubail Industrial City has the following vacancies:

1. GP — male and female
2. INTERNISTS — male and female
3. PEDIATRICIANS — male and female
4. RADIOLOGISTS — male and female
5. X–RAY TECHNICIAN — male and female

Benefits: Attractive salaries, furnished housing, transportation and other benefits. For information:
P.O.Box 11445 Jubail Industrial City 31961, Fax: 03-3418800.

WANTED

1. One (1) Senior Analyst Programmer

Qualifications :
- 4 years programming experience
- UNIX OS experience
- Sybase RDBMS experience
- Knowledge aboout CASE(Computer Aided Software Engineering) TOOLS in IEF (Information Engineering Facilities)
- TI (Texas Instruments)

2. Five (5) Analyst Programmers

Qualifications :
- With at least 3-4 years experience on actual analysis and design
- UNIX OS experience
With C language background /C T T

3. Ten (10) ATM Specialists

Qualifications :
- Preferably with ATM experience
- With at least one year experience in UNIX as the operating systems with C language /C T T

Qualified candidates must submit their resume and recent photo to the following address:

Attention : Personnel Manager
Mailing Address : P.O. Bdx 52908, Riyadh 11573 -Saudi Arabia
Fax No. : +966 (01) 465 3156
Tel. No. : +966(01) 462 8222 ext. 146

VACANCY

For a major operation & maintenance include plenty of the following. Types of HVAC equipment: Centrifugal & reciprocating air cooled water chillers, central package & split units the following:

1. **2 NOS. OPERATION & MAINT. ENGINEERS**
   each has B.S.M.E. or B.S.E.E. + 15 years exp.
2. **1 NO. FEMALE ENGINEER**
   same as above but only 10 years.
3. **16 NOS. A/C. TECHNICIAN**
   each has Diploma 2 years after Sec. School + 10 years exp.
4. **4 NO. ELECTRONIC & CONTROL TECH.**
   same as above.
5. **3 NO. FEMALE TECHNICIAN**
   same as above.
6. **1 NO. MATERIAL CONTROLLER**
   familiar with computer programs + 10 years experience.

Candidates should have valid driving license. All applications will be sent to:

P.O. BOX 5996 RIYADH 11432
or Fax No. 4021746

VACANCIES

- **Civil works planning Engineer :**
  Expert in computerized project control & construction plans.
- **Financial Manager :**
  Expert in computerized applications in accountant systems. Applicants should have both high educational certificates & long years in experience.
- **Highway & bridge Engineer :**
  Long experience in construction & design of bridges & highway Engineering.
  Accountant
  Expert in applications in accounting computerized systems.
- **Vehicle & equipment mechanic :**
  Long experience in this activity.
- **Lubricant oil sales represe.ntative :**
  Long experience in this activity.

CANDIDATES are requested to direct their applications with copy of their qualifications, to: fax NO. 07/ 225 1634 - ABHA

URGENTLY REQUIRED

FOR A FAST GROWING FORWARDING CO.
AT ALL 3 MAJOR GATEWAYS

MARKETING EXECUTIVES
Fresh graduates with commanding proficiency in English and inclination to build forwarding/shipping career. Previous shipping experience preferred.

OPERATION ASSISTANTS
Graduates with 2-3 years working experience in any or shipping related areas. Commanding proficiency in English is a must.

SECRETARIES
Fresh hands with shorthand and commanding proficiency in English.

Job offers attractive salaries, remuneration and ample growth prospects in terms of career and compensation.
Applicants must have "TRANSFERABLE IQAMA"

Apply to P.O.Box 9314 Dammam 31413, Fax No. (03) 827 1425.

اسلام کے تشکیل کردہ وسیع خاندان میں

تمام افراد باہمی محبت واخوت کے رشتے میں پرو دیے گئے ہیں

اسلام کے وضع کردہ نظام کی مثال ایک ایسے وسیع خاندان کی ہے جس کے افراد باہمی محبت واخوت کے رشتے میں پرو دیے گئے ہوں، باہمی تعاون کے جذبے سے معمور ہوں اور ایک دوسرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوں۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو اسلام انسانیت کو نہ صرف صالح افراد اور خاندان بلکہ پورا معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ یہ ایمان وفضیلت سے آراستہ معاشرہ ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو پاک نفس اہل ایمان پر مشتمل ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے اپنا رشتہ وفا استوار رکھتے ہیں، اعلیٰ اخلاقی اقدار پر کاربند رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ معاملات کے فیصلے میں عدل وشوریٰ کی تلقین کرتے ہیں۔

ایمان وعبادت کے ساتھ ساتھ اس معاشرے کی اہم اقدار اخوت ومحبت، صلہ رحمی، تعاون اور حسن معاملہ اور اتفاق و اتحاد وغیرہ ہیں۔ اخوت ومحبت تو ایمان کا عین تقاضہ ہے اس لئے کہ ایمان ہی اس جذبے کا محرک ہے اور تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ عقیدے سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں اور اسلام سے زیادہ طاقتور کوئی دوسرا عقیدہ نہیں، اخوت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت لوگوں کے دل بغض وحسد سے پاک رہتے ہیں۔ اور بتدریج ایمان کی بنیادوں کے استحکام کے ساتھ ساتھ نفس کے اندر انانیت وخود پسندی کی جگہ عطا وکرم کے جذبات پنپنے لگتے ہیں۔

باہمی اخوت ومحبت اور صلہ رحمی کا معاملہ کرنے والے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں کہ اگر ایک عضو کو کوئی ضرب پہنچتی ہے تو دوسرا حصہ لامحالہ اس کی کلفت کو محسوس کرتا ہے۔ ضعیفوں، یتیموں اور مسکینوں سے لطف وکرم کے برتاؤ کا درجہ تو اور بھی بلند ہے اور اسی لئے قرآن کریم میں ایسے لوگوں سے سختی سے پیش آنے کو کفر اور دین کی تکذیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک دوسرے کے کاموں میں باہمی تعامل اور تعاون اسی اخوت اور محبت کا عملی اظہار ہے اور اس تعاون کا میدان نیکی وتقویٰ ہے نہ کہ برائی اور عداوت۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام طاقتور کے ہاتھوں کمزور ونادار کے استحصال کی حمایت ہرگز نہیں کرتا۔ جب تعاون کی فضا قائم ہوجائے گی تو انسانی معاشرہ میں سالمیت واستحکام کی خصوصیات یقیناً آجائیں گی جس میں طاقتور اور صاحب مال کمزور اور نادار پر ظلم و زیادتی نہیں کرے گا۔ جس کی معمولی سی مثال یہ ہے کہ جو شخص غنی ہے وہ محتاجوں کی ضرورت مندی کا لحاظ رکھتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی کے فرض سے کوتاہی نہیں کرے گا جو اسلام کا تیسرا رکن ہے جس کا احتساب تین جہتوں سے ہوتا ہے۔

ایک تو مسلمان کا ضمیر خود اس کو اکساتا ہے یعنی اس کا ایمان اس سے تقاضہ کرتا ہے کہ دوسرے معاشرے کے اندر سے کوئی اس کا تقاضہ کرے۔ یعنی عام مسلمانوں کی متفقہ رائے یا حکومت کی طرف سے نافذ کردہ کوئی قانون اس فرض کی انجام دہی پر اسے مائل کرے۔ جب اس پر پوری طرح عمل ہونے لگے گا تو ممکن نہیں کہ ایک مسلمان پیٹ بھر کر سو رہا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ ان تمام اقدار میں ایک خاص منطقی ربط ہے کہ جب ایک کی تکمیل ہوجائے گی تو اس کے سہارے دوسرے مرحلے کی طرف قدم بڑھانے اور اس کی تکمیل کی توفیق حاصل ہوگی۔ جب لوگوں میں ایک دوسرے کو اپنے فرائض سے آگاہی حاصل کرنے اور ان کی تکمیل کا مزاج پیدا ہوگا تو معاشرے میں کسی اخلاقی خامی کے لئے فرد واحد کو ذمہ دار نہیں گردانا جائے گا بلکہ لوگ اپنی برائیوں اور کمزوریوں کے سلسلے میں دوسروں کی تنبیہ ونصیحت کا احترام کریں گے۔ اور اپنا محاسبہ کریں گے کیونکہ اس معاملہ میں جیسا کہ اسلام کا موقف ہے نہ کوئی چھوٹا نہ بڑا نہ حاکم نہ محکوم یعنی کہ اہمیت اس کی ہے جو کہ کہا جارہا نہ یہ کہ کون کہہ رہا ہے۔

ان سب اعمال سے حاصل ہونے والی ایک اور چیز بھی ہے جسے نظافت وطہارت کہتے ہیں۔ اسلام نے تمام ظاہری وباطنی فواحش کو حرام قرار دیا ہے، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت اور ان لوگوں کی اتباع سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے جن کے دلوں میں مرض ہے۔

کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ مسلم معاشرہ معصوم فرشتوں کا معاشرہ ہے۔ انسانی علائق وکمزوریوں سے وہ آزاد نہیں ہے۔ اس میں ایسے لوگ یقیناً ہوں گے جن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں ہے جو ارتکاب گناہ کے بعد بہ صد افتخار اس کا اعلان کرتا پھرے۔ اس طرح انفرادی گناہ وخطا کا اثر محدود رہتا ہے اس کا شر پھیلنے نہیں پاتا۔ آخر اسے اللہ توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔

اس ضمن میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام جس معاشرہ کی نشو ونما کرتا ہے وہ بعض لوگوں کے خیال کے برعکس پسماندہ نہیں بلکہ ترقی یافتہ معاشرہ ہے۔ اس پر پسماندگی کا گمان اس بناء پر ہوتا ہے کہ ترقی کی تفہیم میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کے علمبردار اپنے معاشرہ کو ترقی یافتہ اور مسلم اور بعض دیگر معاشروں پر مشتمل تیسری دنیا کو پسماندہ معاشرہ سے تعبیر کرتے ہیں جو یکطرفہ موقف کی دلیل ہے۔

خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: میرے شوہر اپنے کاموں میں بیحد مصروفیت کے باعث وقت ضرورت مجھے گاڑی میں بٹھا کر کہیں نہیں لے جاسکتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک ڈرائیور رکھ لیا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ کوئی عورت تنہا ایسی کار میں بیٹھ کر کہیں جائے جسے ملازم رکھا ہوا شخص چلا رہا ہو۔ براہ کرم یہ بھی بتائیں کہ جب میرے سسرالی عزیز میری طرف سے بعض عام اعمال سے متنبہ کرنے والی احادیث کے ذکر پر ناراضگی کا اظہار کریں تو اس پر میرا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

جواب: یہ یاد رکھنا بہت اہم ہے کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے صراحتاً ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بندوں پر ایسی کوئی چیز مسلط کرنا نہیں چاہتا جو ان پر گرانی کا باعث ہو۔ آپ کے سوال کے سیاق سے یہ بات ظاہر ہے کہ جب گھر کے مرد اپنے کاموں پر چلے جاتے ہیں تو ملازموں سے عام طور پر کام لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ ہدایت آئی ہے کہ ہم بچوں اور ملازموں کو سکھائیں کہ کسی کمرے میں داخل ہونے سے پہلے وہ دروازے پر دستک دیں خصوصاً دن کے وقت جب آرام کر رہے ہوں یا ہلکی نیند میں ہوں۔ اگر کسی گھر میں ایک دو مرد ملازم ہیں جو گھر کے اندر اور باہر کے کام انجام دیتے ہیں تو خاتون خانہ کو اپنے پہننے اوڑھنے کے معاملے میں خاصا محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ملازمہ گھر میں کام کر رہی ہو اور خاتون خانہ بھی کسی کام میں مصروف ہو تو شوہر کسی اور طرف مشغول ہوجاتا ہے مثلاً اپنی میز پر بیٹھ کر کوئی کتاب یا اخبار پڑھتا ہے یا ٹی وی دیکھتا ہے۔ اس میں کوئی ممانعت کا پہلو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بیوی کو یہ مشورہ نہیں دیا جاسکتا کہ وہ چوکیداری کے فرائض انجام دیتے ہوئے ہر وقت ملازمہ پر نگاہ رکھے اور شوہر کے پیچھے پیچھے لگی رہے۔ اسی سے گرانباری پیدا ہوتی ہے۔

اسی صورتحال کا اطلاق ڈرائیور پر بھی ہوتا ہے بس فرق یہ ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ کار میں بیٹھی ہوئی عورت کا پہناوا وہ ہو جو باہر جاتے وقت ہوتا ہے۔ اگر اس کا لباس اسلامی معیار کے مطابق ہے تو ڈرائیور کے ساتھ اس کے جسم کے اعضاء کی نمائش نہیں ہوگی۔ ایسی حالت میں مسلمان عورت کو چاہئے کہ اسلامی ضابطہ عمل پر کاربند رہے۔ ڈرائیور کو جو ضروری ہدایات وقتاً فوقتاً درکار ہوتی ہیں بس اتنی ہی گفتگو پر اکتفا کرے۔

جہاں تک سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو آپ کو اپنے ساس اور سسر کا احترام اپنے ماں باپ کی طرح ہی کرنا چاہئے ہاں اگر ان میں سے کوئی صحیح حدیث یا قرآنی احکام کی تردید کرے یا انہیں ایسا مفہوم پہنانے کی کوشش کرے جو کہیں سے ثابت نہ ہو تو اس صورت میں ان کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

سوال: میں نے ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ خریدا اور اسے اپنی بیوی کے نام رجسٹرڈ کروادیا۔ کچھ دن پہلے میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔ گذشتہ سال میں نے اپارٹمنٹ فروخت کردیا۔ کیا اس کی رقم میں اپنے مصرف میں لاؤں یا اس میں کسی کا حصہ نکلتا ہے۔ مرحومہ بیوی سے میرے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ اور موجودہ بیوی سے ایک بیٹی ہے۔

جواب: اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اپارٹمنٹ کی رجسٹری کرتے وقت آپ کی نیت کیا تھی۔ کیا آپ نے اپنی بیوی کو اپارٹمنٹ تحفتاً دیا تھا یا یہ اقدام آپ نے مقامی حالات کے پیش نظر کیا تھا۔ رجسٹری ہوجانے کے بعد آپ اور آپ کی بیوی اس اپارٹمنٹ کے بارے میں کیا سوچتے تھے۔ آپ اسے اپنی ملکیت تصور کرتے تھے یا اپنی بیوی کی۔

اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو شوہر اپنی بیوی کو بتادے کہ وہ جائداد روز اول سے اس کی ہے اور وہ اس میں ہر طرح سے تصرف کی مجاز ہے۔ یا وہ بیوی کو یہ بتادے کہ وہ جائیداد بیوی کے نام رجسٹری کے باوجود اسی کی ہے ہاں اس کے (شوہر کے) انتقال کے بعد وہ اس کی ہوجائے گی۔ پہلی صورت میں مکمل ملکیت مستحکم ہوجاتی ہے دوسری صورت میں ملکیت موقوف رہتی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں کسی جائیداد کا فیصلہ شوہر کی موجودگی میں ہی ہوجاتا ہے۔ دوسری صورت ایسی ہے گویا کہ شوہر کہہ رہا ہو کہ میں یہ تحفہ تمہیں اس شرط پر دے رہا ہوں کہ اپنی باقی زندگی میں اسے اپنے مصرف میں لاؤں گا۔

ان دونوں صورتوں پر الگ الگ زاویوں سے نظر ڈالی جائے گی۔ اگر آپ نے اپارٹمنٹ اپنی بیوی کو تحفے میں دیا تو آپ اس کے انتقال کے بعد اس کی واپسی کے دعوے دار نہیں ہوسکتے۔ یہ اس کی جائیداد رہے گی اور باقی جائیداد کے ساتھ ان کے ورثاء کو جائے گی۔ اس کے ورثاء میں آپ خود، اس کے بچے، اس کے والدین (اگر اس کے انتقال کے وقت دونوں میں کوئی بقید حیات ہو) اگر اس کے والدین فوت ہوچکے ہوں تو آپ کی بیوی کی جائیداد آپ اور اس کے بچوں میں تقسیم ہوگی۔ ہر لڑکے کو لڑکی کے حصہ کا دوگنا ملے گا۔ اس صورت میں آپ جائیداد کی قیمت کے آٹھ حصے کریں گے۔ دو حصے آپ کے ہوئے۔ دو دو حصے دونوں بیٹوں کے ہوئے ایک ایک حصہ دونوں بیٹیوں کا ہوا۔ اگر آپ کی بیوی کے والدین میں سے کوئی بھی زندہ ہو تو اسے اس کی جائیداد کا چھٹا حصہ ملے گا آپ کی موجودہ بیوی سے جو بیٹی ہے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کوئی رشتہ آپ کی پہلی بیوی سے نہیں ہے۔

اگر اپارٹمنٹ کا رجسٹریشن بیوی کے نام وقتی مصلحت کے تحت ہوا تھا اور دونوں ہی متفقہ طور پر آپ کی (یعنی شوہر کی) ملکیت سمجھتے رہے تو آپ کو اختیار ہے کہ اس کا جو چاہے کریں۔ آپ اس کی رقم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی ہے۔

قلت فہم کیوں پیدا ہوتی ہے

کیا یہ مخصوص دماغی سرکٹ میں واقع ہونے والی کسی خامی کا نتیجہ ہے؟

محققین کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک ایسی دماغی کمزوری کا پتہ لگالیا ہے جو کسی نہ کسی طرح کی قلت فہم پیدا کرنے میں ایک اہم سبب ثابت ہوتی ہے Dyslexia ایک ایسی آموزشی معذوری ہے جو لاکھوں بچوں اور بالغوں کو متاثر کرتی ہے۔ نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کی روداد میں شائع اس تحقیق کے مطابق ڈسلیکسیا بہت سے لوگوں کے خیال کے برعکس بصری یا سمعی عارضہ نہیں بلکہ مخصوص دماغی سرکٹ میں واقع ہونے والی خامی ہے جو تیزی سے منتقل ہونے والی سمعی معلومات کو اٹھاتی ہے۔

Dyslexia سے متاثر بچوں کے دماغ کے نصف کرے میں عموماً اس قسم کے چند خلیے ہوتے ہیں جن کا مخصوص عمل تیز رفتار آوازوں کو قید مفہوم میں لانا ہے اور یہ کہ یہی تفہیمی مسئلہ آگے چل کر اس راہ میں حائل ہوتا ہے کہ وہ پڑھنا کیسے سیکھیں

مذکورہ تحقیق میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ڈسلیکسیا سے متاثر بچوں کے دماغ کے نصف کرے میں عموماً اس قسم کے چند خلیے ہوتے ہیں جن کا مخصوص عمل تیز رفتار آوازوں کو قید مفہوم میں لانا ہے اور یہ کہ یہی تفہیمی مسئلہ آگے چل کر اس راہ میں حائل ہوتا ہے کہ وہ پڑھنا کیسے سیکھیں محققین کا خیال ہے کہ بچوں کے اندر ڈسلیکسیا کی ابتداء شیر خوری کے زمانے ہی میں ہوجاتی ہے جب اس طرح کے بچے عام زبان کی بہت سی آوازوں کو سننے سے قاصر رہتے ہیں۔

پڑھنے میں مشکل یا ڈسلیکسیا کے علاج کے تمام طریقوں میں یکساں طور پر کامیابی حاصل ہوتی ہوئی نہیں دیکھی گئی ہے۔ نیوجرسی میں قائم مولیکولر اینڈ بہیوول نیرو سائنس کے مرکز کے ڈائرکٹر ڈاکٹر طلال کا کہنا ہے کہ یہ دماغی سطح کا طبی مسئلہ ہے جس میں بچے کے والدین یا اس کے اسکول کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ڈاکٹر طلال اور ان کے رفقاء کار نے ابھی ایک تحقیقی مطالعہ مکمل کیا جس میں اس دماغی خامی کے تدارک کی تدابیر سے بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے نتائج کا ابھی تجزیہ نہیں ہوا تاہم ڈاکٹر طلال اس طرف سے کافی پر امید ہیں۔ ڈاکٹر طلال نے اپنی تحقیق کا آغاز 1970 میں کیا جب ماہرین تعلیم اپنی تمام تر توجہ مطالعے کے عمل پر مرکوز کرتے تھے۔ ماہرین تعلیمات اور بصریات کان اور آنکھ پر خصوصی توجہ دیتے تھے اور بچوں میں آوازوں اور لکھے ہوئے الفاظ کو شناخت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی غرض سے مشقیں ترتیب دیتے تھے۔ ڈاکٹر طلال نے اپنی تحقیق کی بنیاد اس سوال پر رکھی کہ دماغ کے اندر وہ کون سا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے جو زبان سمجھنے اور مطالعے میں صعوبت پیدا کرتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نطق سے محروم بچے کس طرح اپنے حسی اور مشاہداتی تجربات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا دماغ تیزی سے نکلنے والی تکلمی اصوات کو تفہیم کے عمل سے نہیں گزار سکتا۔ عمل تکلم اور سماعت پر اس کے اثرات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ایک صوتیہ کو دوسرے سے ممتاز کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تکلم ایک پیچیدہ اور مسلسل عمل ہے جب اصوات یکجا رہتی ہیں تو اس مجموعے میں سے انفرادی اصوات کو الگ الگ کرکے موزوں ترتیب میں رکھنا اور انہیں ان کے متعینہ مفہوم سے مربوط کرنا پڑتا ہے۔ بعض اصوات مثلاً مجرد صوتیے ایک تسلسل میں واقع ہوتے ہیں جو سو ملی سکنڈ تک باقی رہتا ہے اور اس کے مقابلے میں دیگر اصوات میں تیزی سے تبدیلی نمایاں ہوتی ہے مثلاً بندشی مصمتوں والے رکن ب، د، گ، پ، ت، اور ک میں ایک طرح کا عبوری وقفہ پایا جاتا ہے جس میں شروع کے مصمتے کے وقوع میں تبدیلی آتی ہے۔ شروع کے "ب" کا ارتعاش "آ" تک پہنچنے سے پہلے صرف چالیس ملی سکنڈ تک باقی رہتا ہے۔ ان تیزی سے واقع ہونے والی بندشی مصمتوں والے ارکان کو بھی ایک دوسرے سے الگ کیا جاسکے۔ لیکن "ما" کہنے میں م کا ارتعاش سو ملی سکنڈ تک باقی رہتا ہے۔

ڈاکٹر طلال کا بیان ہے کہ 1970 کی دہائی میں انہوں نے جو سماعتی تجربے کیے اس سے انہیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ دماغ میں کوئی سمعی توقیت کا نظام ہے۔ اس طرح کے تجربوں میں زیر مطالعہ افراد کے ہر کام میں ایک الگ لفظ بولا جاتا ہے۔ زیادہ تر افراد داہنے کان میں بولے گئے لفظ کو یاد کرلیتے ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ دماغ کے دوسرے حصے میں چلے جاتے ہیں جو زبان کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کے بعد کے تجربات سے یہ واضح ہوا کہ بندشی مصمتوں والے اور تیز تر وقفے والے الفاظ ہی کو داہنے کان کی یہ سہولت حاصل ہے۔ اگر با جیسی اصوات کو مصنوعی طریقے سے وسعت دیدی جائے یعنی چالیس سکنڈ کے عبوری وقفے کو سو سکنڈ کے وقفے میں تبدیل کیا جائے تو داہنے کان کی یہ سہولت باقی نہ رہے گی یا کم ہوجائے گی اس سے مزید یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ زبان کے لئے دماغ کے داہنے طرف کا حصہ صرف تکلم کے لئے ہی نہیں بلکہ تیز رفتار عارضی و عبوری پروسسنگ یا تجہیز کے لئے بھی مخصوص ہے تاہم ان نظریات کو قبولیت اسی وقت مل سکی ہے جب سائنسدانوں نے عکس ریزی اور تشریح بدن کے جدید طریقوں سے دماغ کی اندرونی ساخت کا تحقیقی مطالعہ کرلیا۔ سن فرانسسکو کی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے ڈائرکٹر مائیکل مرز نے جو دماغی امراض کے محقق اور نئے تجربات کے بعد دماغ کی ترتیب نو کے عمل کے ماہر ہیں ڈسلیکسیا سے متاثر بچوں کے لئے نئی تکنیکیں ایجاد کرنے کی سلسلے میں ڈاکٹر طلال کے ہمراہ کام کررہے ہیں۔

زیادہ تر افراد داہنے کان میں بولے گئے لفظ کو یاد کرلیتے ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ دماغ کے دوسرے حصے میں چلے جاتے ہیں جو زبان کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کے بعد کے تجربات سے یہ واضح ہوا کہ بندشی مصمتوں والے اور تیز تر وقفے والے الفاظ ہی کو داہنے کان کی یہ سہولت حاصل ہے۔

ان دو حضرات نے ابھی تک جو ذرائع اور حکمت عملی دریافت کی ہے ان میں ایسے کمپیوٹر کی ترتیب بھی ہے جو بندشی مصمتوں کو طویل کردے تاکہ قلت فہم کے عارضہ میں مبتلا بچوں کو ان مصمتوں کو سننے کا کافی وقت مل سکے۔ اس سے امید کی جاتی ہے کہ ان کے دماغ ایسی آوازوں کو پہلی بار سننے کے بعد انہیں بامعنی ترتیب دینے کی متبادل صلاحیت اپنے اندر پیدا کرسکیں گے۔

وہ وقت دور نہیں جب لوگ دوستوں سے کہیں

"لیجئے آلو، بینگن اور ٹماٹر سے شوق فرمائیے"

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ مشرق ہو یا مغرب جب دو آدمی یا دوست یار فیق کار آپس میں ملتے ہیں تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو سگریٹ پیش کرتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ سگریٹ پیش کرنے والا پہلے اپنے دوست کی اور اس کے بعد خود اپنی سگریٹ جلاتا ہے۔ پھر دونوں میں گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھتا رہتا ہے اور سگریٹ کی نکوٹین بھی اس کے ساتھ ہی ان کے دماغ کی شریانوں میں اترتی جاتی ہے۔ لیکن امریکہ مشگین میں ہونے والی ایک حالیہ تحقیق سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ انسانی جسم میں نیکوٹین پہنچانے والا معاملہ صرف تمباکو ہی میں نہیں بلکہ بعض سبزیاں بھی ہیں مثلاً آلو، ٹماٹر اور بینگن بھی اس نیکوٹین کے تناسب کو بڑھاتی ہیں۔

غیر تمباکو نوش افراد پر کئے گئے تجربے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کے خون میں موجود نیکوٹین کی مقدار کا مصدر تمباکو نہیں ہے۔ نیز یہ کہ خون کے تجزیہ سے یہ ثابت ہوا کہ صرف دس گرام سیاہ بینگن سے خون میں اتنی مقدار میں نیکوٹین غیر تمباکو نوش کے جسم میں داخل ہوجاتی ہے جتنی کہ کسی شخص کے سگریٹ کے دھوئیں سے بھرے ہوئے کمرے میں تین گھنٹے تک بند رہنے سے۔ جب کہ حالت یہ ہے کہ ایک آدمی ایک وقت کے کھانے میں تقریباً سو گرام بینگن کھالیتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ مقدار کا دس گنا زیادہ نیکوٹین اس کے جسم میں داخل ہوجائے گی۔

ایک حالیہ تحقیق سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ انسانی جسم میں نیکوٹین پہنچانے والا معاملہ صرف تمباکو ہی میں نہیں بلکہ بعض سبزیاں بھی ہیں مثلاً آلو، ٹماٹر اور بینگن بھی اس نیکوٹین کے تناسب کو بڑھاتی ہیں۔ گویا کہ اگر یہ تینوں چیزیں کھانے میں یکجا ہوجائیں تو سگریٹ نوشی کے مقابلے میں کہیں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوں گی۔

ایک دوسرے تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ 250 گرام آلو یا 50 گرام ٹماٹر غیر سگریٹ نوشوں میں نیکوٹین کی اتنی ہی مقدار پیدا کرتے ہیں۔ گویا کہ اگر یہ تینوں چیزیں کھانے میں یکجا ہوجائیں تو سگریٹ نوشی کے مقابلے میں کہیں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوں گی۔

اس تحقیق سے ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہوسکتی ہے وہ یہ کہ لوگوں کو یہ کہہ کر خبردار کیا جائے کہ وہ سگریٹ نوشی کے ساتھ آلو، ٹماٹر و بینگن خوری سے بھی پرہیز کریں۔ یا ایسا زمانہ بھی آسکتا ہے کہ سگریٹ تمباکو کے بجائے ان تینوں سبزیوں کے مادے سے بننے لگے اور خریدار دکاندار سے کہے کہ ایک پیکٹ "فلٹر والے آلو دینا"۔ اور پھر ایک دوست دوسرے سے ضیافتاً کہے آلو سے شوق فرمایئے، یا تھوڑے بینگن لیجیے۔

ایران میں صفویوں کی حکومت نہ ہوتی تو

عثمانی فوجیں پورے یوروپ پر چھا جاتیں اور تاریخ کا نقشہ بدل جاتا

نیوزی لینڈ میں کینٹربری یونیورسٹی میں تاریخ کے استاذ اور برطانوی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے

> سانڈر نے اس نکتہ پر خصوصی تاکید کی ہے کہ اگر فارس (ایران) میں صفویوں کی حکومت نہ قائم ہوتی تو عثمانی فوجیں پورے یورپ پر اپنا تسلط جمالیتیں۔ اور عثمانیوں کی وہاں آمد کے ساتھ تاریخ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ عثمانیوں اور فارس میں صفوی شیعوں کے درمیان تصادم کے سمندر میں یوروپی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کے امکانات معدوم کردئے۔

رکن جان سانڈر نے انگریزی زبان میں تاریخ عالم پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جو امریکی ناشر پرنٹس ہال نے شائع کی ہیں۔ "صلیبی جنگوں کی بعض جہتیں" بھی ان کی ہی کاوش قلم کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مغربی جرائد میں اسلام اور عالم مشرق کی تاریخ پر متعدد مضامین قلم بند کئے ہیں۔

جان سانڈر کی حالیہ تصنیف "اسلامی دنیا اور یوروپی توسیع" اسلام اور عیسائیت کے درمیان 1450 سے 1550 عیسوی تک ایک صدی کے عرصے پر محیط شدید تصادم کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عثمانی ترک اسلام اور مسلمانوں کے نقیب تھے جنہوں نے اوائل صدی میں یوروپ کو اپنے زیر نگیں کرلیا تھا۔ سانڈر نے اس نکتہ پر خصوصی تاکید کی ہے کہ اگر فارس (ایران) میں صفویوں کی حکومت نہ قائم ہوتی تو عثمانی فوجیں پورے یورپ پر اپنا تسلط جمالیتیں۔ اور عثمانیوں کی وہاں آمد کے ساتھ تاریخ کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ مصنف نے دولت عثمانیہ کو ایسا نظام قرار دیا ہے جو اشاعت اسلام کے لئے وقف تھا۔ نیز یہ کہ عیسائیت کے وجود کو عربوں کی ابتدائی فتوحات سے پہلے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا تھا۔ عثمانیوں اور فارس میں صفوی شیعوں کے درمیان تصادم کے سمندر میں یوروپی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کے امکانات معدوم کردئے۔ اس زمانے میں کامیابی اسی کے حصے میں آتی تھی جو سمندری راستوں سے واقف اور سمندر کے اندر رہ کر جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

العالم الإسلامي
عشية توسع أوروبة
تحرير
جون سوندرز
ترجمة
الدكتور محمد ظافر العواف

مصنف چونکہ غیر ملکی ہیں اس لئے تاریخ کے تئیں ان کا زاویہ نظر ہم سے مختلف ہے انہوں نے فتح وشکست کے عوامل کے تجزیے کے مقصد واقعات وحوادث کی تفہیم وتعبیر میں تجارتی اور اقتصادی پہلوؤں کو خاص طور سے ملحوظ رکھا ہے اور اس تعبیر میں شاید اسی لئے خاصی موضوعیت آگئی ہے۔

کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہمیشہ رہنی چاہیئے کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں تاکہ ہم اپنے کمزور پہلوؤں سے آگاہی حاصل کریں جن پر بیشتر حالات میں تعصب اور خودداری کی بناء پر پردہ پڑارہ جاتا ہے۔

> کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہمیشہ رہنی چاہیئے کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں تاکہ ہم اپنے کمزور پہلوؤں سے آگاہی حاصل کریں جن پر بیشتر حالات میں تعصب اور خودداری کی بناء پر پردہ پڑارہ جاتا ہے۔

عہد گذشتہ میں ارض کشمیر پر ہندو مذہب نام کی کوئی چیز نہیں تھی

المیہ کشمیر کے چند ابواب

المیہ کشمیر کی جھلکیاں (اصل عربی عنوان "فصول من ماساہ کشمیر" ناشر دار العلم جدہ) کے مؤلف شعیب عبدالفتاح نے اس کتاب کو نو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول کی ابتداء جموں کشمیر کی تاریخ اور اس کی جغرافیائی تفصیل سے ہوتی ہے جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اس خطے کی فضا کلمہ توحید اور دین اسلام کی صداؤں سے گونجتی رہتی تھی۔ اور عہد گذشتہ میں ایسا زمانہ بھی تھا جب ارض کشمیر پر ہندو مذہب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کشمیر میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش کے پس منظر اور آبادی کی تقسیم سے بھی اس باب میں بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں مصنف نے تفصیلی انداز میں کشمیری بحران کے اصل اسباب وعوامل پر روشنی ڈالی ہے تو تیسرے باب کا تعلق ان عوامل کے جائزہ سے ہے جن کی بناء پر اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی چوکھٹ تک پہنچایا گیا۔ اس ضمن میں سلامتی

فصول من
مأساة
كشمير

کونسل کی قرار دادوں اور بحران کو حل کرنے میں کونسل کی کوششوں اور ہندوستان کی طرف سے ان کوششوں کو ناکام بنانے کے رجحان کا بھی پوری طرح حوالہ آگیا ہے۔

چوتھے باب میں اس موقف کی وضاحت کی گئی ہے کہ پرامن کوششوں کی ناکامی کی صورت میں معاہدہ شملہ کی رو سے پاکستان کو اس مسئلے کو عالمی ایوان میں لے جانے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ فاضل مؤلف نے کشمیر کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کرنے کے قانونی فقہی پہلوؤں کے خطرات کا جائزہ بھی لیا ہے کہ پاکستان کی طرف سے مقبوضہ کہلانے والا کشمیر ہندوستان کا حصہ ہوکر رہے اور آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے۔ انہوں نے یہ بات دلائل سے ثابت کی ہے کہ حقیقی کنٹرول لائن کسی زمانے میں بھی مستقل ایک جگہ نہیں رہی بلکہ اس کی حیثیت ہمیشہ عارضی نشان یا لائن کی رہی ہے اور اس لئے حکومت ہند کے دعوے اور موقف کے برعکس اسے حقیقی لائن آف کنٹرول تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

پانچویں باب میں کشمیری عوام کو حق خود ارادی دینے کے مقصد سے آزادانہ رائے شماری کرانے کے لئے حکومت ہند کے وعدے کا حوالہ دینے کے بعد چھٹے باب میں رونگٹے کھڑے کردینے والی تصویروں اور اعداد وشمار کی مدد سے کشمیری مسلمانوں پر توڑے گئے مظالم کی سنگینی کا اندازہ کرایا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پرامن ذرائع سے کشمیری بحران کو حل کرنے کے جب تمام راستے مسدود ہوگئے اور ساری کوششیں رائیگاں ہوگئیں تب ہی کشمیری عوام نے مسلح تصادم کی صورت میں 1989 کے اواخر میں اپنے جہاد کا آغاز کیا جو اب تک جاری ہے اس باب میں بیرون ملک کشمیری لیڈروں اور تنظیموں کی طرف سے سیاست اور میڈیا کی سطح پر چلائی جانے والی تحریکوں کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔

> فاضل مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پرامن ذرائع سے کشمیری بحران کو حل کرنے کے جب تمام راستے مسدود ہوگئے اور ساری کوششیں رائیگاں ہوگئیں تب ہی کشمیری عوام نے مسلح تصادم کی صورت میں 1989 کے اواخر میں اپنے جہاد کا آغاز کیا جو اب تک جاری ہے۔

اس مسئلے پر عالم اسلامی کا رد عمل اور اس کی طرف سے کئے گئے اقدامات کا ذکر اس نوعیت کے مطالبے میں یقینا خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ شعیب عبدالفتاح نے اس پہلو سے صرف نظر نہیں کیا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے مستقبل پر قیاس آرائی کرتے ہوئے اس امکان کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان جو طاقت میں امریکہ اور سابق سوویت ریاست سے حد درجہ کمزور ہے اگر انہیں مسائل سے دوچار ہو جنہوں نے امریکہ کو ویت نام سے اور سوویت یونین کو افغانستان سے انخلاء پر مجبور کردیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر پر اس کا قبضہ تادیر قائم رہ سکے۔

بقیہ : روسی سفاکیت

جس نے چالیس سال تک مغربی حملوں کا جم کر مقابلہ کیا تھا۔

روسی فوج میں نفاق اور حکم عدولی عام ہے گذشتہ ماہ مسٹر یلتسن نے الزام لگایا کہ گروزنی پر بمباری ان کے احکامات کی خلاف ورزی کرکے ہو رہی ہے۔ روسی فوج تقریبا ایک ماہ تک گروزنی میں خون اور بارود کا کھیل کھیلتی رہی اور معصوم شہریوں کی زندگی کا نذرانہ لیتی رہی اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کوئی احکام ہی نہیں دیے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس یورش میں کلسٹر بم اور سوئی بم کا استعمال بھی ہوا جس کے استعمال پر جینوا کنونشن کی رو سے پابندی عائد ہے۔ اس طرح روسی فوجوں کی سفاکیت کا چہرہ پوری طرح بے نقاب ہوچکا ہے۔

اپنی قطع شدہ حالت میں بھی روس ایک سلطنت تھا اور ابھی کچھ دن اور سلطنت بنا رہے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کی محدود فرماں روائی کی بنیاد روس کی 15 فیصد آبادی کے قتل عام پر رکھی جائے گی جو روس سے چھ گنا رقبے پر محیط 89 جمہوریاؤں میں بستی ہے۔ سات دہائیوں تک کمیونسٹوں کی بالادستی کے باوجود ان علاقوں میں علاقہ پرستی کا جذبہ سلگتا رہا۔ چیچن انقلاب پسندوں کی مثال کو ذہن میں رکھ کر دیگر علاقے بھی اعلان بغاوت کے لئے کسی نیک ساعت کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

چیچنیا کی جنگ اپنی پوری تباہی کے ساتھ نواحی علاقوں کی طرف پھیل رہی ہے اور پورے کاکیشیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے جہاں کے عوام دلیرانہ بغاوت کے لئے مشہور ہیں۔ اس جنگ نے روسی اقلیتوں کو عموما اور کاکیشیا، سنٹرل ایشیا اور وولگا کے مسلمانوں کو خاص طور پر چونکا دیا ہے۔

چیچنیا میں روسی سفاکیت کی دنیا کے ہر کونے سے مذمت ہورہی ہے۔ چیچنیا کے واقعہ کو امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے روسی داخلی معاملہ قرار دینے کے موقف کی سخت نکتہ چینی چیچن سرکاری حلقوں میں ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ گذشتہ تین سو سالوں میں چیچنیا کو روس سے ملانے والا کوئی معاہدہ یا واقعہ ہے؟ اور ایسے وقت میں کہ روس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے والا سربیا کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ روس نے کم از کم مستقبل قریب میں خود کو اچھوت بنانے کا سامان کرلیا ہے۔

صدر یلتسن کتنا ہی اکڑیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسئلہ چیچنیا روس کو قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر متاثر کر رہا ہے۔ ایک امریکی ذریعہ کے مطابق روس کو اب عالمی مالی ادارے سے قرضہ کا حصول اور غیر ملکی سرمایہ کاری سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہوگا۔ اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر یوروپی اتحاد نے روس سے تجارتی معاہدے منسوخ کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کردیا ہے۔ امریکی کانگریس بھی روس کو دیا جانے والے قرضہ روک سکتی ہے۔ تیل کی آمدنی بھی بری طرح متاثر ہوگی کیونکہ پائپ لائن چیچنیا سے ہی گذرتی ہے۔

(انگریزی سے تلخیص وترجمہ)

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 30 April, 1995

The Milli Times International

(India's first International Urdu Weekly)

49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

پھیکا پھیکا شرم

پیری ایلس کو لباس کی تزئین و آرائش کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ اپنے برسہا برس کے تجربے کے بعد ایلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انسانی شخصیت کا اصل جوہر ان لباسوں میں کھلتا ہے جن میں جسم کے خطوط کو نمایاں کرنے کے بجائے ڈھیلے ڈھالے لباسوں کے ذریعہ ان پر ابہام کا پردہ ڈالے رکھا جائے۔ اس قسم کے لباس کو مغرب میں عام طور پر کلاسک سوٹ یا قدیم طرز کے فیشن کا نام دیا جاتا ہے۔ جس میں خاص طور پر نسوانی حسن کو شرم و حیا کے پیکر میں ڈھالنے اور لباس سے محض سترپوشی کے علاوہ زینت کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ لمبے باوقار اور ڈھیلے ڈھالے لباسوں کا دور ایک بار پھر مغرب میں تیزی کے ساتھ لوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

ایلس کا احساس ہے کہ جدید فیشن سے قدیم کی طرف واپسی میں اس معاشرے کا رول ہے جو در اصل جسموں کی عریانیت سے اوب کر اب ایک بار پھر شرم و حیا کی دنیا کا طالب ہے۔ ورنہ پچاس کی دہائی میں فروغ پانے والے فیشن پر نظر ڈالئے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ لباس کی ترتیب و آرائش میں جسم کو چھپانے سے کہیں زیادہ اسے دکھانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ گویا لباس کا بنیادی مقصد سترپوشی نہیں بلکہ عورت کے جسم کے ان حصوں کو نمایاں کرنا ہو جس سے انسانی جذبات میں ہیجان برپا ہو اور عورت کو محض ایک دلکش جنسی جانور کی حیثیت سے دیکھا جاسکے۔ اسی رجحان کی بنیاد پر مغرب میں فیشن کے بڑے بڑے مدرسے قائم ہوئے اور خاص طور پر ان لباسوں کی تیاری پر نصاب مرتب کئے گئے جن کو پہن کر عورت اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ دلکش بنا پاتی۔ کہیں ٹانگیں کھلی تو کہیں ہاتھ وا ہوئے، سروں سے روایتی ٹوپی غائب ہوئی، لمبے اسکرٹ کی جگہ مختصر ترین لباس نے لے لی اور کہیں کہیں تو لباس اس طرح مختصر ہوئے کہ سر سے پیر تک ان کا سراغ لگانا مشکل ہو گیا۔

ایلس کہتی ہیں کہ برسہا برس تک عریانیت کے ماحول میں رہ کر ایسا لگتا ہے گویا زندگی کا لطف جاتا رہا ہو۔ نہ تو اب انسانی تعلقات میں وہ پہلی سی کشش ہے اور نہ ہی گرما گرم، پر جوش جذبات کا عمل دخل۔ ازدوجی زندگی کے تعلقات بھی کچھ ٹھنڈے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ اور پھر جب شرم و حیا کو مکمل رخصت کر دیا جائے تو ایسا لگتا ہے گویا سب کچھ پھیکا پھیکا سا ہو۔ ایلس کا احساس ہے کہ وہ اپنے نئے تراشیدہ لباس میں، جس میں اس کے بقول عورت کے تقدس کو وقار عطا کرنے کی خاص طور پر کوشش کی گئی ہے، کچھ زیادہ بھلی بھلی سی لگتی ہے اور اسے اندر سے یک گونہ سکون کا احساس ہوتا ہے۔ ساتر لباس کی واپسی گویا اس بات کا اظہار ہے کہ مغرب اپنے مروجہ اقدار سے تنگ آکر ایک نئی دنیا کی تلاش میں ہے جہاں سب کچھ ڈھکا ڈھکا سا ہو، عورت کا تقدس محفوظ ہو اور عفت و عصمت جیسے الفاظ کا وجود باقی ہو۔ ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے جب امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی میں تقریبا پچاس ہزار نوجوان لڑکیوں نے عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے ایک شاندار مظاہرہ کیا تھا اور عہد کیا تھا کہ امریکی معاشرے سے بغاوت کرتے ہوئے وہ پاکیزگی کی زندگی گذاریں گی اور شادی سے پہلے اپنے کسی بھی دوست سے کوئی جسمانی تعلق استوار نہیں کریں گی۔ پھر اسی ملک میں بعض خواتین تنظیموں نے یہ مطالبہ بھی شروع کر دیا ہے کہ عورت کو ملازمت کی زحمت دینے کے بجائے مشرقی معاشرے کی طرح گھر میں رہنے کا حق دیا جائے۔ پھر بعض سماجی تنظیموں نے اس رویے پر بھی احتجاج کیا ہے کہ عورت اور مرد کی ذاتی زندگی کو ٹیلی ویژن پر بحث کے لئے نہ لایا جائے اور نہ ہی ان تمام باتوں کو بر سر عام بیان کیا جائے جو شرم و حیا کے خلاف سمجھی جاتی ہیں۔ گو کہ شرم و حیا کی واپسی کی یہ تحریک ایک خوش آئند عمل ہے۔ خاص طور پر ایک ایسے معاشرے کے لئے جہاں ساری اخلاقی اقدار ٹوٹ پھوٹ چکی ہوں۔ لیکن ایلس جیسی بے شمار دوشیزاؤں کا احساس ہے کہ ابھی یہ سب کچھ پھیکا پھیکا سا ہے، نہ جانے وہ کیا بات ہے کہ حیا کی واپسی کے نعرے کے باوجود اس کے اندرون کا سکون ابھی پوری طرح واپس نہیں آسکا ہے.....

پر کشش قیمتی لباس کے باوجود ایلس کے چہرے پر محرومی کی پرچھائیاں اور کچھ کھوئے کھوئے جانے کا احساس ایک بڑی اہم حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے۔ ایلس کے پاس یقینا بیش قیمت لباس ہیں لیکن اس جیسی بے شمار دوشیزاؤں کا درد کچھ اور ہے۔ مادی طور پر آسودہ لیکن روحانی طور پر بدحال ٹوٹے پھوٹے معاشرے میں جس چیز کی سب سے زیادہ کمی ہے وہ ہے تقوی کا لباس.... شرم و حیا کی واپسی کا خیال مبارک! لیکن جب تک یہ سب کچھ ایک روحانی تحریک کے بغیر ہو، اس کا پھیکا پھیکا لگنا فطری ہے۔ ایلس کو یہ کون بتائے کہ فیشن میگزین کے اوراق، ٹیلی ویژن پر فیشن شو کے مظاہرے اور کیمرے کی چمک دمک کے پیچھے جو کچھ کھو گیا ہے، وہ صرف لباس ہی نہیں بلکہ ایک عظیم روحانی قوت ہے جس کے بغیر شرم و حیا کا احساس بھی کچھ پھیکا پھیکا رہے گا۔